

مٹی کا فساد

اندلس میں حکم بن ہشام کا جب انتقال ہوا تو اس کے بعد عبد الرحمن کی عمر اکتیس سال کی تھی۔ کہتے ہیں یہ عبد الرحمن اضداد کا مجموعہ تھا۔ اس اکتیس سال دلی عہد نے جب من خلافت پر قدم رکھا تو ملک کے حالات بہت سازگار اور پر سکون تھے۔ اسے دران خلافت دھکرانی جن چار شخصیتوں سے گہرا داسط رہا، وہ مشہور فقیہہ امام یحییٰ، مشرق کا مشہور مفتی زریاب، بے مثل حسن اور دلربا ادادوں کی پیکر ملکہ طوب اور بلا کاذبین اور فزانی دار غلام نصر تھے۔ ان چاروں کی شخصیتوں اور ان کے کاموں پر نظر ڈالئے تو عبد الرحمن کی مجموعہ اضداد ذات کو سمجھنے میں کچھ مدد مل جائے گی۔

عبد الرحمن کا باپ حکم گناہوں کا علی لاعلان اور تکاب کرتا تھا اور اس پر ذرا بھی شرم سارہ ہوتا تھا۔ فیہان شہر اور علماء عصر کو حکم کے طور پر ذرا بھی پسند نہ تھے، انہوں نے مل جعل کر حکم کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ امام مالک کے عظیم القدر شاگرد امام یحییٰ نے اس بغاوت کی نگرانی کی، یکن خونخوار اور رحمت گیر حکم نے اس بغاوت کو سختی سے کھل دیا۔ امام یحییٰ گرفتار کر لئے گئے۔ بہت سے فقیہہ اور عالم قتل کر دیئے گئے۔ حکم کے ظلم اور سفاکی نے باغیوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ جب اسیر امام یحییٰ کو حکم کے رو برو پیش کیا گیا تو اس نے نفرت سے سوال کیا۔ ”یحییٰ! پسچ بنا کیا تیرے دل میں اب بھی میرے لئے نفرت کا جذبہ موجود ہے؟“

بہادر فقیہہ نے جواب دیا۔ ”اپنے اب بھی تجھے سے نفرت کرتا ہوں اور اس یقین کے ساتھ کہ تجھے سے نفرت کرنا عین اطاعت خداوندی ہے۔“ اس اشتغال ایگر جواب سے حکم شتعیل نہیں ہوا۔ اس نے خلاف

سے مسلمان ہوا ہے یا ملائمت اور دولت کی خاطر اسلام قبول کریا ہے؟ ”
نصرتے فدا“ جواب دیا۔ ”میں نے اسلام کو اس کی سپاہیوں کی وجہ
سے اختیار کیا ہے۔ درہ دین میسیحی مجرما تو ہمیں تھا۔“

بادشاہ نے قرآن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تب پھر تو خدا کے
کلام کی قسم کھا کر مجھے اس بات کا یقین دلا کر تو ہمیشہ میرا فادار رہے گا۔“
نصرتے فدا اہی اللہ کے کلام کو باستھنیں لے کر وفاداری کی قسم کھانی
بادشاہ نے کہا۔ ”نصرتونے میرا دل خوش کر دیا۔ اللہ نے چاہا تو میں بھی
تجھے خوب خوب نازد دیا گا۔“

جامع مسجد سے جب وہ شاہی محل میں واپس آگیا تو اس کی
بیگمات میں سے کسی ایک میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ بادشاہ کی مرضی
اور اجانت کے بغیر اس کے رد برد حاضر ہو جاتیں۔ انہوں نے اپنے اپنے
دروازے سُخّلے رکھے اور انتظار کرنی رہیں کہ بادشاہ سلامت ان کے کمرہ
میں قدم رنجھے فرمائیں۔

شاہی محل کے چھر دکوں سے بیگمات جھانک کر یہ دیکھ
رہی تھیں کہ دیکھیں بادشاہ جاتا کس کے پاس ہے۔ بادشاہ نے ایک چکر
کھڑے ہو کر اپنی بیگمات کے چھر دکوں کی طرف دیکھا اور پھر ملکہ طرب
کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ طرب پہلے ہی سے چشم براہ تھی۔ اس نے
چند قدم چل کر بادشاہ کا استقبال کیا، سکرانی ہوئی۔ ”ظل اللہ! میری
خوش نسبی کہ تخت نشینی کے بعد آپ نے مجھ ناپیر کا اتنا خیال رکھا
کہ سب سے پہلے یہاں تشریف لاتے، امیر المؤمنین کا میں کس زبان سے
شکریہ ادا کردار ہوں؟“

بادشاہ نے سرتاپا اشتیاق بن کر جواب دیا۔ ”طرب! تو ہونٹی کی
حیثیت سے میرے حرم میں داخل ہوئی تھی، لیکن آج تو میرے حرم، میری
ملکت کی ملکہ ہے!“

”وہ سب بجا“ طرب کے ہونٹوں پر شدید کھیل رہی تھی۔ ”لیکن آج
مجھے معلوم ہوا کہ اس ملک میں میری حیثیت ثالثی ہے!“
”وہ کیس طرح؟“ بادشاہ نے اس کا ہاتھ ہاتھیں لے لیا۔

معول ہنس کر اس بھادر فیصلہ سے کہا۔ ”یحیی! وہی خدا جس نے تجھے مجھ
سے نفرت کا حکم دیا ہے، مجھے چشم بوشی کا حکم دے رہا ہے۔ جا، تو آزاد
ہے۔ میری طرف سے تجھے اجازت ہے کہ جہاں چاہے خدا کے سایہ رحمت
میں نذرگی بسر کر۔“

اس غیر متوقع فراغد لانہ جواب نے امام یحیی کا دل جنیت لیا چنانچہ
جب حکم کا اکتیس سالہ بیٹا عبد الرحمن بر سر اقتدار آیا تو امام یحیی نے اس سے
کہا۔ ”ابن حکم! قیامت زیادہ دور نہیں ہے کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ میں
تمہیں قیامت کے دن شرمندہ اُجھنے سے بچا لوں؟“

عبد الرحمن نے عاجزی سے جواب دیا۔ ”میں آپ کا ہر حکم مانتے کو
تیار ہوں۔ یہاں تک اگر مجھ سے اپنے حرم میں بھی کوئی نازیبا اور دخلاف
شرع حرکات مرند ہو جائیں تو بھی آپ کو یہ حق حاصل رہے گا کہ آپ مرنش
فرمایں اور مجھ پر حادی شرعی جاری فرمادیں۔“

امام یحیی نے مسترت کا اظہار کیا گا۔ ”اللہ نے چاہا تو میں تیرے
خانہ اور باطن کو آسودگیوں سے بچا لوں گا!“

امام یحیی کو عبد الرحمن نے اپنا مشیر بنایا۔

قصرابیض کے باب الجامع سے نکل کر عبد الرحمن جامع قطبہ میں
داخل ہو گیا۔ علام نصراللہ کے ساتھ چل رہا تھا، بادشاہ شمال مغربی دروازے
سے مسجد میں داخل ہو گیا۔ وہ در طرف حصہ اور با غبیبوں کے پیغامبر کر ان
ستونوں کی صفائی میں داخل ہو گیا جو اس کے داییں بائیں دور تک پھیلے چلے
گئے تھے۔ ان ستونوں سے گزر کر بادشاہ مسجد کی محراب میں داخل ہو گیا۔
یہاں منقش شاہ بلوط کی رحل پر قرآن پاک رکھا ہوا تھا۔ بادشاہ قرآن
کے سامنے بھی سے میں گر گیا اور دیر تک آنسو بھاتا رہا۔ وہ سیکیاں لے
لے کر پہنے خدا سے دعائیاں رہا تھا۔ ”اللہ العالمین! تو میری خوبیوں اور
کمزدگیوں سے واقف ہے تو ان میں اعتدال قائم کر دے اور مجھے توفیق
دے کہ میں اپنے معاملے میں بھی عدل وال صاف سے کام لے سکوں!“

اس کے بعد اس نے سر اُنھا کرنے کو مناطب کیا۔ ”نصرت نیرے
باپ دادا عیاض تھے لیکن خود ترنے اسلام قبول کر لیا۔ اب یہ بتا کر کیا تو دل
۶۲

تک کہ بادشاہ کی گرم اور تیز سانسیں لئے اپنے رخساروں اور ناک کی بو پر ہلکی ہلکی آپس کی طرح محسوس ہونے لگیں۔ اس نے اپنے مُٹھے پر دلنوں ہاتھ رکھ لئے اور بولی۔ ”نمیں، ابھی، اس دقت نہیں،“ بیرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ بیرے پورے جسم میں، خون کے ساتھ تپ دھڑ رہا ہے۔“

بادشاہ نے اس کے ہاتھوں کو ہٹانے کی کوشش کی۔ بولا۔ ”طرب! میں تیرامطلب خوب سمجھتا ہوں، میں تیرا مزانج داں ہوں۔ شاید تو مجھ سے تخفہ لینا چاہتی ہے؟“

طرب نے جواب دیا۔ ”وہ تو میرا حق ہے۔ میں بادشاہ کے ستحفوں کو تبرکات کی طرح قبول کرنی ہوں۔“

بادشاہ نے طرب کے دلنوں ہاتھ زبردستی اس کے چہرے سے ہٹا دیتے اور اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ پوچھا۔ ”بلوں، تو مجھ سے تخفہ میں کیا لینا پسند کرے گی؟“

طرب نے جواب دیا۔ ”آج میں بادشاہ سے ایک الیسا تخفہ لوں گی جس کی قیمت سے میں خود اپنی قیمت کا نفع کروں گی۔“

بادشاہ نے پوچھا۔ ”تیرامطلب؟“

طرب نے کہا۔ ”میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ بادشاہ نے لپٹے دل میں میری کیا قیمت مقرر کرے!“

بادشاہ نے اسے ایک دم چھوڑ دیا۔ بولا۔ ”اچھا یہ بات ہے۔“ اس کے بعد وہ اس سے الگ ہو گیا۔ بولا۔ ”طرب! اب میں تجھے اسی دقت طبوں گا جب تکھے تیری حیثیت کے مطابق کوئی تخفہ دے چکا ہوں گا۔“

طرب نے بادشاہ کی عبا پکڑ لی اور دلزاں ہو کر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی، بولی۔ ”میرا اس سے یہ مقصد ہے مگر یہ نہ تھا کہ میں بادشاہ کو ناراض کر دوں میں آپ کو یوں برگزند جانے دوں گی۔“

بادشاہ نے سکرا کر اس کے گال پر ایک چیخت رسید کی۔ محبت سے بولا۔ ”میں ناراض نہیں ہوں جان خلافت، میں نے جو کچھ کہا خوش دلی سے کہا۔“ طرب دامن چھوڑ کر بادشاہ کے پیر دل سے پیٹ گئی، موٹے موٹے

طرب کو بولنے میں پس دیپش تھا، بے دلی سے بولی۔ ”اس دقت میں جو کچھ کہنا چاہتی ہوں، امیر المؤمنین اگر نہ تھیں تو ہمترے درنے ڈکھے کہ اس ناچیز کی باتیں گران خاطری کا باعث بن جائیں گی۔“

بادشاہ نے محبت سے طرب کی پیشانی چھوٹ لی، بولا۔ ”طرب! بخدا تو میری بات کا یقین کر، تیری پیشانی المازِ حسن سے یلوں منور ہے جیسے ضیائے ایمانی اور لذتِ تقویٰ سے مسجد کی محراب۔“

طرب کا پھر خوشی سے تھما گیا۔ بادشاہ کی آغوش میں سمٹ گئی بولی۔ ”کیا یہ غلط ہے کہ ظل اللہ نے مجھی فقیرہ کو حمد سے زیادہ احتیارات دے دیتے ہیں؟ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ صحیح فقیرہ وہی شخص ہے جس نے امیر المؤمنین کے پدر بر بزرگوار کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا؟ لیکن ناکام رہا اور مرحوم بادشاہ نے علوتے ہمتی اور فراخ دلی سے کام لے کر لے معاف کر دیا تھا!“

بادشاہ نے جواب دیا۔ ”یہ درست ہے لیکن ان باتوں کا مقصد ہے؟“

طرب نے کہا۔ ”میں اس دن سے ڈری ہوں جبکہ مجھی فقیرہ آپ کی محل سرا میں بھی دخیل ہو جائیں گے۔ میں صحیح کی عیّت کر فی ہوں لیکن مجھے یہ بات بھی پسند نہیں کہ وہ ہم دلنوں کی محبت میں حائل ہوں۔“

بادشاہ نے طرب کی رُلیں ہاتھ میں لے کر ستحفوں سے لگا لیں اور ان کی بھی بھی عوشبی سے لطف انہوں نے ہونے لگا۔ اس نے اپنی دلنوں آنکھیں اس طرح بند کر لیں گویا اسے زلفوں کا نشہ چڑھ کیا ہو۔ لر کھڑکی ایسے آزاد ہیں بولا۔ ”طرب! تو میری زندگی ہے اور تو میری اس محبت کا شاید اندازہ نہیں کر سکتی جو تیرے لئے میرے دل میں ہو جز ن ہے۔“ میں اس دقت تک حرم کی دوسرا عورتوں سے لطف دل دلت حاصل نہیں کر سکتا جب تک میں تیرا قصور نہ کروں۔ صحیحی کا مرتبہ اور مقام اپنی جگہ لیکن یہ بھی ایک اتل حقیقت ہے کہ وہ تیرے معاملات میں دخل نہیں دے سکتے!“

طرب نے بادشاہ کی سیاہ داڑھی اور سر کے سیاہ بالوں کے درمیان اس کا سرخ دسفید چہرہ اپنے ہمراہ کے فریب، لکھتے محسوس کہا۔ یہاں

آئندہ بھائی ہوئی بولی۔ ”مہیں، اس سے میرا دل مطمئن نہیں ہوگا۔ اور اس دفت
میں بادشاہ کمیون نہیں جانے ددل گی：“
بادشاہ کے دل پر طرب کی بالتوں نے بڑا انٹ کیا۔ اور اس کے آئندوں
نے تو بادشاہ کے دل کو متل کے رکھ دیا۔ طرب کے ساتھ ہی وہ بھی فرش پر
دوزاں ہو گیا اور اس نے اسے اپنی آغاز شیخ میں لے کر طوب کی ساری کردالت
دھوڈاں کی۔ کافی دیر بعد جب شاد کام بادشاہ طرب کے پاس سے خصت
ہونے لگا تو طرب نے مسکرا کر لے یاد دلایا۔ ”بادشاہ نے جس تخفیف کا محظہ سے
دعا کیا ہے اسے میں لئے بغیر زر ہوں گی، یکونکہ میں لئے تخفیف کے طور پر نہیں
تبرک کی طرح قبول کر دل گی۔“

عبد الرحمن نے جواب دیا۔ ”ضرور ضرور صحیح تخفیف ضرور لیے گا۔“

* * *

غلام نظر نے درباری موسیدقار منصور کا ایک عزیزیہ بادشاہ کی خدمت
میں پیش کیا۔ اس میں منصور نے بادشاہ کو مطلع کیا تھا کہ منظر کا مشہور
موسیدقار زریاب پس اہل دعیال کے ساتھ مرحوم خلیفہ حکم کے ایسا پر فرضیہ
آرہا تھا لیکن جب زریاب کو یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ حکم استقال فرمایا
چکے ہیں تو وہ داپن چلنے پر آمادہ ہو گیا، لیکن لئے ہمت زیادہ سمجھا
بجہا کر قرطیب اتنے پر آمادہ کر دیا گیا۔ اتنا کچھ کہہ کر درباری موسیدقار منصور
نے بادشاہ سے پوچھا تھا کہ زریاب کو قرطیب لایا جاتے یا نہیں۔ ”بادشاہ
نے فوراً حکم جاری کر دیا۔“ اسے فوراً ہمارے پاس روانہ کر دیا جاتے ہے۔ ”اس
کے بعد بادشاہ نے لئے عالیہ فرمان کو علیحدہ فرمان جاری کئے ان فرماں میں
امہیں بدایات کی گئی تھیں کہ نریاب اور اس کے خاندان کا یطوبی خاص خیال
رکھا جاتے۔

اس کے بعد بادشاہ نے پس خواجہ سراج الدین کے افسر کو حکم دیا۔ ”تم
خچر اور سدا بیان لے کر ہمت جلد نریاب کے پاس پہنچو، اور اس سے اپنے
تعلقات استوار کرو۔“ خواجہ سراج الدین کے پاس پہنچا اور نریاب کے استقبال کو آ کے بڑھا۔
یکیں فیضیہ نے بھی ہمت کر کے بادشاہ سے کہا۔ ”بادشاہ کو ان فضیل
۶۶

اور بزر اسلامی احکامات کے اجراء میں اتنی دلچسپی نہیں یعنی چاہیے۔“
بادشاہ نے تنک کر غصتے میں جواب دیا۔ ”یعنی! میں نہ تھا سے اس اعتراف اور
مشور سے کوئی نہ پر آمادہ نہیں ہوں۔“
یکیں نے غصتے میں کہا۔ ”یہ میں کب کہتا ہوں کہ تم میری بات ملوں بلکہ میں
یہ چاہتا ہوں کہ تم آئندگیوں سے بکے رہو۔“
بادشاہ نے یکیں سے زیادہ باتیں نہیں کیں۔ دہاندر جلنے لگا تو
یکیں نے اسے زبردستی روک لیا۔ ”میں تجھ سے چند بہت ضروری باتیں
کرنا چاہتا ہوں۔“
بادشاہ اور یکیں کی حبڑ پس جھر دکے میں بیسی ہدی طرب بہت
زیادہ لطف اندر ہو رہی تھی، جیسے جیسے بادشاہ کا لمحہ تیز ہوتا، طرب کی
خوشی میں اضافہ ہو جاتا۔ لیکن جب یکیں خادی آجاتا اور بادشاہ نرم پڑ جاتا تو
پھر طرب کو پڑا کر ہوتا۔
یکیں نے غصتے میں پوچھا۔ ”تو یہ بتا کر تیرے مال دزد سے محروم ہزانے
کس کے لئے ہیں؟“
بادشاہ نے جواب دیا۔ ”رعايا کے لئے۔“
یکیں نے فوراً اپنی عبا سے ایک رقعت نکال کر بادشاہ کی طرف بڑھا
دیا۔ اور پوچھا۔ ”یہ رقعت کس کا ہے؟“
بادشاہ نے رقعت کھولا تو یہ اس کے اپنے ہاتھ کا نیکلا۔ اس میں بادشاہ
نے دزبہ خزانہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک لاکھ دینار کی قیمت کے زیورات طرب
کو دے دے۔
بادشاہ نے رقعت کو پھر تھہ کر دیا اور کہا۔ ”یہ میرا فتح ہے!“
یکیں نے جوش میں کہا۔ ”اتھی قیمتی شے خزلنے سے نہیں نکلا چاہیے۔“
بادشاہ نے جواب دیا۔ ”لیکن جو اس قیمتی شے کو پہنے گی دھا اس سے
زیادہ قیمتی ہے!“
طرب یہ جواب سن کر پھولی نہ سمائی۔ یکیں نے کہا۔ ”عبد الرحمن! اس
وقت تو تو جو کچھ بھی کہے گا، میں مان لوں گا لیکن اس کے ساتھ ہی میں بضرور
کہوں گا کہ تو یہ جو کچھ کر رہا ہے، بدر دیا تھا۔“

یحییٰ کی اتنی سخت بات بھی عبد الرحمن برداشت کر گیا۔ ایک لاکھ دینار کی قیمت کے زیورات طرب کی خدمت میں پہنچا دیئے گئے جنہیں پاکر طرب پھری نہ سمائی۔

* * *

زدیاب پس یہوی بھوئ کے سانحہ شام کے وقت قرطبه میں داخل ہوا۔ یہاں لے سہنے کے لئے جو مکان دیا گیا تھا اس میں ضروریات زندگی کی ہر شے موجود تھی، زدیاب نے پوچھا۔ یہ کس کا مکان ہے؟“ اسے جواب دیا گیا۔ آپ کا ہمارا بادشاہ تمہارے فن کو قدر کی زگا ہوں سے دریافت ہے۔“

اس رات بادشاہ نے زدیاب اور اس کے لڑکوں سے ملاقات کی۔ یہیں یحییٰ نقیہ بھی موجود تھے۔

بادشاہ نے زدیاب سے کہا۔ ”مجھے اس بات کا دلکھ ہے کہ تجھے بیرے باپ نے بلا یا تھا لیکن وہ تیری آمد اور بقیرے فن سے محظوظ اور لطف انزو زہوتے بغیر اس دنیا سے چلا گیا۔ اور جب تیری آمد کی خبر مجھے ملی تو میں نے تجھے فوراً طلب کریا۔“

زدیاب نے ڈرتے ڈرتے اشانتا اسوال کیا۔ ”کیا یہاں مجھے معاشر مسائل سے دوچار ہنیں ہونا پڑتے گا؟“

بادشاہ نے جواب دیا۔ ”میں تیری اور تیرے خاندان کا کلفیل ہوں۔“ اس کے بعد بادشاہ نے ایک کاغذ کے پرے پر اپنا حکم لکھا۔ ”آج کے تیسرے دن زدیاب اور اس کے بیٹوں کو میرے رو برو پیش کیا جائے۔“

بادشاہ نے پرے دزیر کے حوالے کر دیا۔ اور کہا۔ ”آج کے تیسرے دن زدیاب اور اس کے بیٹوں کو میرے رو برو پیش کیا جائے۔“

یحییٰ نقیہ نے جوش میں مخالفت کی۔ یہ سب کچھ حرام ہے اور عزیز بادشاہ نے سوچا کہ یحییٰ کو تو ایسی باتیں کرنا ہی چاہیں۔

بادشاہ یہاں سے اٹھ کر انہیں چلا گیا، طرب اسے انہے آتا دیکھ کر کہیں

چھپ گئی۔ اس وقت دہ ان زیورات سے لئی ہوئی تھی جنہیں شاہی خزانے سے نکالا گیا تھا اور جن کی قیمت ایک لاکھ دینار بتانی تھی تھی۔

بادشاہ دیر تک طرب کو تلاش کرتا تھا لیکن جب مایوس ہو گیا تو اس نے با اجازہ بلند طرب کو مخاطب کیا۔ ”طرب! توکہاں ہے؟ کیا تو ان زیورات سے خوش نہیں ہوئی؟ کیا یہ زیورات کم مالیت کے ہیں؟ کیا ان تو کچھ اور چاہتی ہے؟“

طرب نے کوئی جواب نہیں دیا، پرستور چمپی رہی۔ بادشاہ نے لے پھر مخاطب کیا۔ ”طرب! تو کہاں ہے؟ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ دہ زیورتی کے جسم پر کیسے لگ رہے ہیں؟“

طرب بد نذر خاموش رہی اور بادشاہ کے اضطراب اور بے چینی سے تلاش کرتا تھا۔ آخر تنگ آگر بادشاہ نے پوچھا۔ ”کیا طرب مجھ سے نا ارض ہے؟“

طرب جہاں بھی تھی دہاں چکے چکے ہنس رہی تھی۔ بادشاہ نے کہا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر طرب مجھے مزید بہریشان نہ کرے اور خود کو مجھ پر ظاہر کر دے تو میں اتنی ہی قیمت کے زیورات اور نذر کروں گا۔“

اپنک بادشاہ کی نظر میں ایک قد آدم مرتبان کی طرف اٹھ گئیں اس کے اندر سے طرب یلوں نمودار ہو رہی تھی گورا اسے کسی بازی گرنے پنے سحر سے نمودار کر لیا ہے۔ بادشاہ دوڑ کمرتباں کے فریب ہیچنچ گیا اور اپنے دلنوں ہاتھ طرب کی بغلوں میں ڈال کمرتباں سے باہر نکال لیا۔ بولا۔ ”واللہ انہوں کو کچھ دیر اور دو پوچھ رہتی تو میں پا گل ہو جاتا۔“

طرب نے اپنے جسم پر سبھے ہوتے زیورات پر اچھی سی نظر ڈالی اور جواب دیا۔ ”میں تو اس لئے نمودار ہو گئی ہوں کہ بادشاہ نے مجھے مزید تبرکات سے نزاٹے کا وعدہ کر لیا ہے۔“

عبد الرحمن نے اس سر دقاومت اور فتنہ محسن دشاب کو جوش درستی سے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ بولا۔ ”طرب! توکہاں کو تیری ہر بات میں ایک مزہ ہے۔“ تیری ہر ادا میں ایک کیفیت ہے، تو چچ رہ کر شراحت کرنی تھی تو اس سے دل کی دھڑکن میں قیامت کی تیری آجائی ہے۔ اور جب تو سامنے آگر عشوہ داد دکھنی ہے تو بیری جان پر بن جاتی ہے!“

سری کا سودا ہے، مجھے تو تخفیف کی حصہ دلیابی کی ہوں ہے۔ بادشاہ کو چاہئے کہ
اپنا وغیرہ الیاف اکمریں اور مزید تخفیف عطا فرمائیں ۔“

بادشاہ نے اسی وقت طریقہ خزانہ کے نام ایک نیا ذرمان جاری کیا اس
میں اتنی بھی مالیت کے مزید زیورات فراہم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بادشاہ جب
اس ذرمان کو اپنے قلم سے نکھرنا تھا تو اس کے سیدھے ہاتھ کی تیسری انگلی
میں چکنی ہوئی۔ قیمتی انگوٹھی طرب کے دل دماغ میں ہرس دفعہ کی آگ
ردمش کردا ہی تھی۔ جب بادشاہ ذرمان پر مستخط کر کے اسے تھہ کرنے لگا تو
طریقہ اس کی انگوٹھی والی انگلی پکڑ دی اور اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔
”یہ کتنی دلکش انگوٹھی ہے۔ یہ میری انگلی میں کیسی نکے گی؟“

بادشاہ نے انگوٹھی اتار کر طرب کی انگلی میں پھنسا دی۔ بولا۔ ”اب تو خود
ای دیکھ لے کہ یہ نیزی انگلی میں کیسی لگ رہی ہے؟“
طریقہ مٹھی بند کر کے اور کھول کے انگوٹھی کو دیکھتی رہی پھر بولی۔
”یہ تو بہت اچھی لگ رہی ہے، امیر المؤمنین کے ہاتھ سے نیزادہ اچھی لگ
رہی ہے۔“

بادشاہ نے مسکرا کر پوچھا۔ ”پھر تیری منشاء کیا ہے؟ تو کیا چاہتی ہے؟
میرا خیال ہے تیری نیت خراب ہو چکی ہے۔ لیکن میں یہ انگوٹھی سمجھے ہمیں
دوس گا۔“

طریقہ نے ادھر ادھر دیکھ کر بادشاہ کو پیار کر لیا۔ بولی۔ ”میں کب یہ
کہتی ہوں کہ آپ اپنی انگوٹھی واقعی مجھے مرحت فرمادیں۔ یہ تو وقت کی بات
ہے، کل جب میں آپ کی طرف راغب ہوئی تھی تو میں نے یہ سوچا تک نہ تھا کم
میری آپ کی نظر میں اتنی بڑی قدر و قیمت طے پائے گی۔“ پھر وہ انگوٹھی اٹاندے
لگی۔ بولی۔ ”میں تو یوں ہی ملا ق کر رہی تھی۔“

بادشاہ نے جواب دیا۔ ”میں نے یہ انگوٹھی دوبارہ پہنچنے کے لئے ہمیں
اتاری تھیں۔ اب تو یہ سمجھے لیں ہی پڑھے تھی۔“

طریقہ نے بادشاہ کے ہاتھوں کو جو سہ دیا۔ بولی۔ ”سخدا میں نے اتنے
سمنی ہاتھ نہیں دیکھے۔“

طریقہ نے مزارت سے پوچھا۔ ”امام سعیٰ میرے زیورات کی بابت کیا
فرماتے تھے؟“ بادشاہ نے جواب دیا۔ ”وہ کہتے تھے اتنے قیمتی زیورات شاہی خرزے سے
مہیں نکلنے چاہیں۔“

طریقہ نے پوچھا۔ ”پھر آپ نے انہیں کیا جواب دیا؟“
بادشاہ نے کہا۔ ”میں نے کہہ دیا کہ جوان قیمتی زیورات کو پہنچنے کی وجہ
ان سے زیادہ قیمتی ہے!“
طریقہ خوشی سے جھوم گئی میکن مزارت اسوال کیا۔ ”یہ زیورات کتنی مالیت
کے ہیں؟“

بادشاہ نے جواب دیا۔ ”ایک لاکھ دینار۔“
طریقہ نے ظریہ پوچھا۔ ”تو آپ کی نظر میں میری اتنی ہی قیمت ہے؟“
بادشاہ نے کہا۔ ”مہیں،“ کیا تو نے میرے اس جواب پر عورت ہمیں کیا جو میں نے
امام سعیٰ کے استفسار پر انہیں دیا تھا۔ میں نے سعیٰ فیضیہ سے صاف صاف کہہ
دیا تھا کہ جوان زیورات کو پہنچنے کی وجہ ان سے زیادہ قیمتی ہے!“

طریقہ آزدہ ہو گئی، اس کا منہ لٹک گیا۔ آنکھیں عم سے جھک گئیں
جہر سے پر سعیدگی طاری ہو گئی۔ غم داندہ کی سعیدگی۔ آہستہ سے بولی۔ ”کیا میں
لے آپ سے یہ ہمیں کہا تھا کہ میں آپ کے عطا کردہ تحفے کی مالیت سے اپنی قرید
قیمت کا اندازہ کروں گی،“ اگر بادشاہ کی نظر میں واقعی ایک لاکھ دینار سے زیادہ
میری قیمت تھی تو یہاں تحفہ بھی ایک لاکھ دینار سے زیادہ کا ہونا چاہیے تھا۔
مجھے تو الیسا عسوں ہو رہا ہے کہ بادشاہ کے قول اور فعل میں مطابقت اسی لئے
ہمیں ہے کہ ان کا فعل دل کا تابع ہے اور قول زبان کا چنانچہ بادشاہ کے دل
میں جو میری قیمت تھی بادشاہ نے اتنی ہی قیمت کا تحفہ مجھے پیش کر دیا۔“
بادشاہ ذرا لھرا گیا۔ بولا۔ ”طریقہ! تو صرف حسین ہی نہیں تملکی ذہنیں ہی
ہے۔ میری یاتوں کے کیا سعیٰ و مطالب نکالے ہیں، اس کا جواب نہیں۔“ پھر کچھ دیر
طریقہ کی شکل دیکھتا رہا، بولا۔ ”اگر میں اپنی پوری سلطنت تیرے قدموں میں رکھ
دوس تباہی یہ نیزی قیمت نہیں ہو گی۔“

طریقہ نے شوہر سے کہا۔ ”میں سلطنت لے کر کیا کر دیں گی یہ بڑی درد
۔“

موٹا ہے اسے ملٹی کھتے ہیں اور اسے عود میں دہی جیشیت حاصل ہے جو جسم میں خون کو "پھر تیسرے تار کو چھو کر بولا۔" اور یہ سفید تار مثلث کھلاتا ہے۔ یہ جیسا کہ آپ صاحب اجنب خود دیکھ رہے ہیں کہ یہ دوسرے تار سے موٹا ہے، اس کی سفیدی کا یہ مطلب ہے کہ یہ عود کے جسم میں بلع جیسی جیشیت کا مانک ہے؟ "پھر ہوتے تار کو چھیر کر بولا" اور یہ سیاہ تار بک کا تار کھلاتا ہے۔ یہ مٹاٹی میں تیسرے تار سے دو گناہے اور اسے عود میں دہی جیشیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں سودا کو "پھر پانچویں تار کو منہایت شان سے چھیر دیا۔" اور اس تار کو عود میں اس ناچیز نے بڑھایا ہے یہ سرخ رنگ کا تار ان چار تاروں میں لطف دا ہنگ میں احتفاف کا سبب بن جاتا ہے۔ پھر ان تاروں کو اس نے عقاب کی ہڈی کی مضارب سے چھپڑ دیا۔ بولا۔ "پہلے یہ مضارب لکڑی کی ہوا کرنی تھی لیکن عقاب کی ہڈی تی مضارب خالص میری ایجاد ہے" ॥

بادشاہ نے زریاب کو نیند کا ایک پیالہ اور پیش کیا بولا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تو تاریخ میں میرے دربار کا معنی کھلاتے گا" ॥ امرتے دربار نے بھی صدرتے داد و تحسین بلند کی۔ باریک اور زرتار پر دوں کے پیچھے سے بھی تحسین دائرین کا ترتمم جاری رہا۔ بادشاہ نے زریاب کو گانے کا حکم دیا۔ زریاب نے اپنا ہماگیت کا نامشروع کر دیا۔

صاحبِ کمال ہونا بھی گویا ایک ہجڑم ہے
در بار ب بغداد کا اسحاق موصلى میر استاد ہے اسے لئے فن پر ناز رکھا
لیکن پھر بھی وہ اپنے شاگرد سے خوفزدہ رہتا رہا
اس کا یہ خوف کچھ غلط بھی نہ رکھا کیونکہ اس پر یہ تلحیق
 واضح ہو گئی تھی کہ
میں فن میں اس سے آگے نکل گیا ہوں
جب کسی طرح بغداد کے تاجدار باردن کو میرے فن کا علم ہوا تو
اس نے اسحاق موصلى کو حکم دیا کہ زریاب کو در بار ب بغداد میں پیش
کیا جائے

حسب فرمان تیسرے دن زریاب اور اس کے چار بیٹوں کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ اس دن بادشاہ کے آس پاس امراتے سلطنت کا ہجوم رکھا۔ بادشاہ کا غلام نصر، بادشاہ کے بالکل پیغمبہر بجا آدھی زمان کی خاطر مستعد اور چوکس کھرا تھا۔ یہاں آس پاس کی دیواروں میں بالکوئی جسیے روزن بنے ہوتے تھے۔ ان روزنوں میں رنگ برشنگی باریک جا بیوں کے پر دے پڑتے ہوتے تھے۔ ان کے پیغمبہر بادشاہ کی حرم موجود تھیں۔ باریک پر دوں کے اس پار سے زیورات کے کھنکنے بخوبی کی جو سیقی بلند ہو رہی تھی اور ان کے لباس کی سرسر اہمیت صاف سانی دنے رہی تھیں ان میں چار بالکوئیاں سب سے زیادہ شایان تھیں۔ ان میں سے ایک میں طرب پیغمبہر تھی۔ ددمیری میں بادشاہ کی مدشرہ نامی محبوہ تھی، تیسرا میں اس کی کنیر حکم تھی اور جو جھی میں کنیر شفا۔ مدشرہ نامی بھی اس کی کنیر تھی لیکن بادشاہ نے اسے آنذاگ کر کے بیوی بنایا تھا۔ کنیر حکم کو شعرو شاعری سے بڑی رغبت تھی اور مد قع محل سے اشعار خوب چست کیا کرتی تھی۔ پرے محل میں اس کے گاؤں کی بڑی دھرم تھی۔ آواز بھی ہمت اچھی یا نی تھی۔ بادشاہ کو اس سے بھی والہانہ لگاؤ رکھا۔ تیسرا کنیر شفا کے حسن دجمان نے بادشاہ کو الگ اپنا گردیدہ بنایا تھا۔ یہ سب مندرجہ کے نامور معنی زریاب کا گیت سنئے جو ہوئی تھیں۔

پھر بادشاہ کے حکم سے نیند کا در جلا، نیند کھبور کا مشراب کو جائز فرار دیا جاتا تھا۔ بادشاہ نے نیند کا پیالہ پسہ ہاتھ سے زریاب کو پیش کیا اور بب وہ نیند پی چکا تو بادشاہ نے اسے گانا سانے کا حکم دیا۔ زریاب نے اپنا عود سنبھالا۔ یہ پارچے تاروں والا عود تھا۔ اس سے پہلے عود میں صرف چار تار ہوا کرتے تھے۔ پانچویں تار خود زریاب کی اختراع تھا۔

زریاب نے بادشاہ اور حاضرین دربار کو عود کی خصوصیات بتایا۔ اس نے عود کے پہلے اور زر دنگ کے تار کو انگلی سے چھو کر متعارف کرایا۔ "ایمِ المؤمنین اور امرتے در بار؛ یہ زیر کاتار کھلاتا ہے۔ اسے عود میں قائم مقام کی جیشیت حاصل ہے" اس کے بعد دوسرے سرخ رنگ کے تار کو چھو کر بولا۔ "یہ سرخ تار، جیسا کہ آپ صاحبان ملاحظہ فرمائے ہیں زیر کے تار سے دو گنا

زیریاب! اب تیرے سامنے دو صورتیں ہیں۔ ایک نزیر کے تو بغداد
چھوڑ دے اور یہاں سے اتنی در چلا جا کر امیر المؤمنین (ہاردن)
کو تیرانشان تک نہ طے۔ اگر نزیر صورت پسند کرے گا تو میں مال د
دولت سے اتنا نوازوں گا کہ تیری طبیعت سیر ہو جاتے اور دوسرا
صورت یہ ہے کہ تو میری مرضی کے خلاف یہیں بغداد میں ڈٹا سے۔

اگر شجھے یہ صورت پسند ہے تو بغداد میں بستوں رہ جائیں ہر دقت میری
دشمنی سے ڈرتا رہ۔ واللہ زیریاب! تو یقین رکھ، میں ہمیشہ لئے جان د
مال سے تیری جڑیں کھو دتا ہوں گا؛ آہ لے زمانے مجھے بتا کی میں
نے کیا جرم کیا تھا۔ یہ شک صاحبِ کمال ہونا بھی ایک جرم ہے۔
میں نے بغداد کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ کہتے ہیں، میرے بعد ہاردن
کو یہ کہہ کر چپ کر دیا گیا کہ زیریاب ناشکرا تھا اور اس نے ہاردن
کے العام دا کرام کو لائے شایانِ شان نہ سمجھ کر حیر فرار دیا۔ حالانکہ میں
ناشکرا نہیں ہوں استاد کے حسرت نے مجھ سے بغداد چھوڑ دادیا میں مغرب
میں چلا آیا۔ امیر المؤمنین عبد الرحمن کے خدمہ کافی باپ حکم نے میری
سر پرستی کا دعہ فرمایا تھا لیکن وہ مجھے اپنے نیک دل اور فنِ شاس
بیٹھ کے ہولے کر گئے۔

اے بادشاہ! میں شجھے یقین دلاتا ہوں کہ میں ناشکرا ہرگز نہیں ہوں،
میں حسد کا شکار ہوں۔

آہ! مشرق میں میں ہمیشہ گنام رہوں گا میکن مغرب مجھے یاد رکھے گا۔
میسح کا قبول ہے کہ نبیوں کی ان کے دلن میں عزت نہیں کی جاتی۔
لیکن میں کہتا ہوں کہ من کا ردیں کی بھی ان کے دلن میں کوئی عزت
نہیں کی جاتی۔

کیا میرے اس قول کی صداقت، میرے اپنے احوال سے ہنیں
ثابت ہوئی؟

میں نافع کا بیٹھا ابوالحسن علی ہوں۔ میرا مرگ سیاہ ہے اور بیری آزاد
و نکش اسی وجہ سے لوگ مجھے زیریاب کہتے ہیں کیونکہ زیریاب ناگی
سیاہ رنگت کا پرندہ میری ہی جیسی ایک نکش آزاد رکھتا ہے۔

ہاردن نے مجھ سے پوچھا، کیا تو موسیقی جانتا ہے؟
میں نے جواب دیا جس قدر تعریف کی جائے اس سے بھی زیادہ اور
میں آپ کو ایک ایسا گیتِ سنا دیں کا جو آپ نے پہلے کبھی بھی نہ سننا
ہوگا
پھر ہاردن کے حکم سے میرے سامنے میرے استاد اسحاق موصلي کا
عودہ رکھ دیا گیا۔

لیکن میں نے اپنا عودہ سن بجا لا۔ ہاردن نے پوچھا تو اپنے استاد کا
عودہ کیوں نہیں۔ بجا تا اور تیرا عودہ بھی تیرے استاد ہی کے عودہ
جیسا ہے۔

میں نے جواب دیا میں اپنا گیت اپنے ہی عودہ پر سنا دیں گا میں نے
پہنچ میں پائے تاروں دلے عودہ پر ہاردن کو ایک ایسا گیتِ سنا
دیا کہ ہاردن تو یقینی بات کا ہوش ہای رہ رہا۔ بعد میں ہاردن نے
اسحاق موصلي کو ڈانٹا کہ تو نے اس بالکمال کو اب تک مجھ سے چھپا کے
کیوں رکھا؟

جب میں دبار سے استاد کی خدمت میں واپس گیا تو اس نے میرے
ساتھ خود کو بھی ایک کمرے میں بند کر لیا۔ اس وقت غصت سے اس
کی آنکھیں مڑخ لاؤ گئی تھیں اور مٹنے سے جھاگ سانکل رہا تھا
اس نے مجھ سے کہا۔ زیریاب! کیا تو آتشِ حسد پر یقین رکھتا ہے میں
نے جواب دیا، ہاں میں اس آگ پر یقین رکھتا ہوں۔

اسحاق نے جوش میں کہا۔ تو سمجھ لے کہ اس دقت میں اسی آگ
میں جل رہا ہوں۔

اس نے کہا۔ زیریاب! کیا تو نے یہ مثل نہیں سئی کہ ہم پیشہ دشمن ہمیشہ
زیریاب! تو نے لپٹا استاد کے سانحہ تکر کیا۔ اگر تو میرا بیٹھا ہوتا تب بھی
میں شجھ سے ہمی کہتا کہ ہم دلوں ایک سانحہ نہیں رہ سکتے اب
تک تو میرے ہاتھوں پہنچنے والے کسی ضرر سے اس لئے محفوظ ہے
کہ تو میرا شاگرد ہے۔

پھر اسحاق نے میرے دلوں شلنے پکڑ لئے اور انہیں ہلاتا ہوا للا

کے ہر بیس کو بیس بیس دینار ماہانہ مقرر کئے جاتے ہیں؟“
 چاروں پیٹھے بادشاہ کے ردمبر دھمک گئے۔ بادشاہ اب بھی مطہن
 نہیں سخا۔ اس نے مزید اعلان کیا۔“زرباب کو ہر ہزار پر تین ہزار دینار
 الغام میں دیتے جائیں گے۔ عید پر ایک ہزار دینار خصوصی الغام اور ہر جات
 (خزان) اور نوروز کے موقعوں پر پانچ سو دینار مزید۔ چار بار، چھ
 قطعات، آٹھ مکان۔ جو اور گھوون کا ذخیرہ حکومت کی طرف سے۔“
 زرباب اور اس کے بیٹوں پر شادی مرگ طاری تھی۔ امرتے دربار
 زرباب کو دشک وحدت سے دیکھ رہے تھے۔
 زرباب نے فرطِ خوشی میں کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظِ حلق میں پھنس
 کر دی گئے۔

بادشاہ نے پوچھا۔“کچھ اور؟“
 زرباب نے جواب دیا۔“امیر المؤمنین، چنان مجھے اور میرے بیٹوں کو
 عطا کیا گیا ہے وہ میرے خواب دخیال میں بھی نہ تھا۔ مجھ پر اب تک جو ظلم
 ہوئے تھے ان سب کی تلاشی ہو گئی۔“
 بعد میں جب زرباب نے باغات اور مکانات کی سالانہ آمدنی کا حساب
 لگایا تو معلوم ہوا کہ ان سے چالیس ہزار دینار کی آمد فی ہو گی۔
 امام یحییٰ کو جب اس الغام داکرام کی خبر ہلی تو انہوں نے بادشاہ کو
 ایک یاد پھر سرزنش کی۔“بادشاہ کو اپنے خرچ کی ایک ایک پانی کا خدا کے سامنے
 حساب پیش کرنا ہو گا۔ میں ہیران ہوں کہ بادشاہ اس حساب سے کس طرح مگر
 خلاصی حاصل کرے گا۔“

بادشاہ نے جواب دیا۔“میں نے زرباب اور اس کے بیٹوں کو جو کچھ بھی دیا
 ہے ان کے اس غیر معنوی دن اور صلاحیتوں کو دیا ہے جنہیں خود خدا نے ان
 کی ذات میں ددیعت فرمادیا ہے، خدا نے ان غوہیوں سے دوسروں کو
 نہیں دانا۔ چنانچہ میں نے زرباب کو جو کچھ دیا ہے وہ اس کی خدائی صلاحیتوں
 کو دیا ہے۔ خدائی صلاحیتوں کو غیر معنوی داد دہش سے لا از دینے کا یہ مطلب
 ہے کہ میں نے خدا کی ایک بڑی صفاتی کا اعتراف کیا۔ اور مکان میں داد دہش
 کے ذریعہ اپنے عجز دبے بھی کاہریت تبریک پیش کیا ہے۔“

خدا امیر المؤمنین کو تاقیامت، سلامت اور انہیں بیرے حال پر
 مہربان رکھے۔“
 بادشاہ نبیذ پینا بھول گیا۔ امرتے دربار سنلوں کے سہارے
 مدھوش سے ہو گئے۔ نرتاہ پردوں کے پیچے قبرستان جیسی خاموشی طاری ہو
 گئی۔ زرباب کے گاموں ہوتے ہی پردے کے پیچے سے آدا آئی۔“سبحان اللہ
 کیا آدازہ، کیا ان بے اور کیاردداد۔“
 یہ طرب کی آداز تھی۔
 مدرثہ گیوں پیچے رہتی بولی!“اب دربار میں کسی اور معنی یا معنیہ کی
 ضرورت باقی نہیں رہی۔“

کینز حکمِ سمجھ گئی کہ اس بات کا رجسٹر کس طرف تھا۔ چک کر بولی۔“چون
 میں میباہی ہوتی ہے، بلبل اور فری بھی۔ ان میں کسی کو کسی بہر نہ جمع تو
 دی جاسکتی ہے تین کسی کو کسی کی موجودگی میں بے کار اور فضول نہیں قرار
 دیا جاسکتا۔“پھر اس نے چن شعر پڑھے۔“دنیا کا حسن اختلاف میں ہے بکانی
 حسن کی قاتل ہے۔ دربار میں بادشاہ کی تہما موجو دگی اس دیر نے جیسی
 محسوس ہو گی، جہاں کسی باز کو اکتنے اور ادھفنت کے لئے تہما حضور دیا گیا اور
 دربار کی شان بادشاہ کی موجودگی کے ساتھ امرتے دربار کی صفت آمانتی پر
 قائم ہوتی ہے۔“

بادشاہ کی چوتھی کینز شفا ہلکھلا کر ہنس دی بولی۔“حسن کہیں
 بھی اور کسی بھی شکل میں احوال دست اور دشمن بھی کو یکسان متاثر
 کرتا ہے۔“

بادشاہ اپنے حرم کی اس دلچسپ نوک جھونک سے خوش آمدہ تھا۔
 اس نے اپنے غلام نظر سے کہا۔“زرباب کے لئے خلعت لائی جائے۔“
 خلعت حاضر کر دی گئی۔ بادشاہ نے یہ خلعت اپنے ہاتھ سے
 زرباب کے جسم پہنڈاں دی۔ اور اسے دو سو دینار ماہانہ دیتے جانے
 کا اعلان کیا۔

اس کے بعد بادشاہ نے زرباب کے چاروں بیٹوں کو اپنے قریب
 بلایا۔ یہ عبد الرحمن، جعفر، عبد اللہ اور سعید تھے۔ بادشاہ نے اعلان کیا۔“زرباب
 ۶

امام سیفی نے ان موشگینوں سے کافی مزہ بیا، لوتے؟ بادشاہ کی دلیلیں
مجھے چپ تو خود رکر دیں گی لیکن میں ان کا قائل نہیں ہو سکتا یہ بے جا امرافت
ہے اور بادشاہ کی کوئی بھی دلیل اس صداقت کو بدل نہیں سکتی۔

*

نواب پر جو نواز شیں کی گئی تھیں، ان سے طوب کو سخت دھیکا لگا
وہ بادشاہ کے الطاف و عنایات کا ستحق اپنے سرو اکسی اور کوئی نہیں سمجھتی تھی۔
وہ بادشاہ سے روڈھنگی اور اس وقت راضی ہوئی جب بادشاہ نے اسے بھی
بہت کچھ عطا کر دیا۔ بادشاہ کو طوب کا یہ انداز پندرہ میں آیا، لیکن وہ اسے
سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس نے اس تکلیف دہ روشن کو بھی چپ چاپ
برداشت کر گیا۔ بادشاہ طوب کے پاس کچھ دیرک کرائی کیزیر حکم کے
پاس چلا گیا۔ کیزیر حکم نے ھلکی آنکھ سے بادشاہ کا استقبال کیا بادشاہ نے
تبھی اپنی آنکھ دا کر دی۔ وہی سبزہ نار پر بادشاہ نے ایک مغل سجائی،
ریشمین بڑے بڑے نیکوں کے سوارے دلوں ایک دسرے سے مل کر بیٹھ
گئے۔ بادشاہ نے حکم سے کہا۔ “آج میں بہت اُداس ہوں۔ اس لئے اس
وقت تو یہ ری فاطر ایک منحصری ضیافت اور تقریب کا انتظام کر۔”
کیزیر حکم نے تالی بجائی، چند نواصیں ہاتھ باندھ کر حاظر ہو گئیں۔
حکم نے بادشاہ سے پوچھا۔ “امیر المؤمنین! بنیہ نے شرق فرمائیں گے؟”
بادشاہ نے جواب دیا۔ “خود رہا۔”
“اور رض و مرسیقی سے؟”
“ہاں ان سے بھی۔”

کیزیر حکم نے خواصوں کو اس تقریب اور ضیافت کے اختتام کا حکم
دیا اور یہ سارا انتظام دم کے دم میں کر دیا گیا۔ کیزیر حکم اپنی جگہ سے اٹھ کر
بادشاہ کے پہلو میں آیا۔ اب اس کا تکمیل بادشاہ کا پیٹ نکھلایا اس کی
دو لہو را بین۔ حکم کا بیان ہاتھ بادشاہ کے شانے اور گذی سے گزر کر دوسرا
شانے پر ظاہر ہوا۔ حکم کے دسرے ہاتھ میں بنیہ کا پیالہ تھا، اس نے پیالہ
بادشاہ کے منہ سے نگاہ دی۔ بادشاہ چکی لے لئے کہ پینے رکا۔

رقص کرنا شروع کر دیا۔ آلاتِ موسیقی نے فضا کو نغمہ
زار بنا دیا۔ گانے والیوں نے جو گیت سنائے وہ سارے ہی تجزیہ نہیں تھے بادشاہ کی
طبعت اور نیادہ اُداس ہو گئی۔ جیسے کہ بولا۔ “کوئی طربیہ گیت سناؤ۔”
طربیہ گیت گاتے جانے نگے لیکن یہ گیت بھی ایسے نہیں کہ ان کا غافل
ہزن دملائ پر ہوتا تھا۔ بادشاہ نے حکم کو ایک طرف ہشادیا اور بولا۔ “حکم! ان
لگوں نے تو مجھے کچھ نہیادہ ہی اُداس اور ملوں کر دیا۔”
حکم ادب سے کھڑی ہو گئی۔ بولی۔ “اگر امیر المؤمنین کا حکم ہو تو یہی اس
اُداسی اور افسردگی کو دور کرنے کی کوشش کروں۔”
بادشاہ نے جواب دیا۔ “جو مناسب سمجھا، کر۔”
حکم نے رقصاؤں اور مغنایاؤں کو دہان سے چلے جانے کا حکم دیا۔
بس دو عورتیں باقی رہ گئیں جن کے ذمے یا تو محض خدمت گاری تھیں یا
انہیں آلاتِ موسیقی کو چھیننے کا فن آتا تھا۔
حکم نے بادشاہ کو مطلع کیا۔ “امیر المؤمنین جب سے تشریف لائے ہیں
میں حسب حال کچھ شعر موندوں کر رہی ہوں۔ اگر اجازت ہو تو وہ سنادیتے جائیں۔”
بادشاہ نے جواب دیا۔ ہاں اجانت ہے لیکن اتنا خیال رہے کہ ان
شعروں میں ہزن دملائ کی کیفیت نہ پائی جائی ہے۔”
حکم نے عرض کیا۔ “اس میں ہزن دملائ ہیں تاسف ہے۔ دنیا سے
دوں پر عبر و ملامت کا پہلو ہے۔”
بادشاہ نے اپنیوں سے کہا۔ “مُنَا، اگر تو بھی یہی چاہتی ہے کہ میں
اُداس اور افسردہ اسی رہوں تو یہی سُمَّیٰ۔”
حکم نے کھڑے ہو کر اپنا گانا شروع کرنا پاہا لیکن بادشاہ نے کہا
“میں چاہتا ہوں کہ تو یہ پہلو سے جدا نہ ہو، کیونکہ اس طرح میں خود کو
مالک نہما محسوس کرنے لگتا ہوں۔”
حکم دوبارہ اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اور بادشاہ کے گلے میں بین
ڈال کر گانے لگی۔
“یہی اُداسی مناسب ہے، تو ملوں ہو جانے میں حق بجا نہ ہے،
حالانکہ تو یہ ایسا شخص ہے جس سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی۔

دالوں میں زریاب نادرہ روزگار شخصیت حاصل ہو گئی ہے۔
بادشاہ نے غم غلط کرنے کی خاطر حکم سے ہوراپورا فاتحہ اٹھایا دیا
سے حکم کے بوس مجھی کو رخصت کر دیا گیا۔ اور کافی دیر بعد بادشاہ جب حکم
کے پاس سے خود بھی رخصت ہونے لگا تو اسے شدت سے یہ عروس ہوا کہ
اس نے حکم سے جو کچھ بھی کہا تھا، غلط تھا، وہ اب بھی افسردہ تھا۔ حکم کے
گیت اور گیت کے مفہوم نے ذرا سی دیر کے لئے اسے مطمئن اور خوش خیز
کر دیا تھا لیکن اب یہ ناخم پھر ہر آہ گیا تھا۔ اب اسے کسی اور کی آغوش کی
ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ حکم کے پاس سے یہ معاہدہ مژہ کے پاس
چھپنا۔ مژہ نے بادشاہ کی راہ میں اپنی آنکھیں بچھا دیں۔ بادشاہ نے چھوٹ
کی طرح بلکہ کہا۔ ”مژہ! میں بہت پریشان ہوں۔ میرا دل اندر سے بیکھرا
جا رہا ہے اس سے طایبیت چھپن گئی ہے اسے سکون پہنچا دے، اسے اپنی آغوش
یہ چھپا لو۔“

مژہ نے بادشاہ کو سکون پہنچانے کی خاطر کیا کچھ نہیں کیا، لیکن کچھ
دیر بعد جب وہ مژہ کے پاس سے بھی رخصت ہوا تو وہ اسی طرح افسردہ
ملل تھا۔ وہ مژہ کے پاس سے شفا کے پاس پہنچا۔ یہ حسین و جمیل کنیز اپنے
حسن کے سوا کوئی دوسری بڑی خوبی نہ رکھتی تھی۔ بادشاہ یہاں بھی کافی
دیر تک رہا لیکن دل بدستور مضطرب اور بے چین ہی رہا۔ شفا بھی شفاذدے
سکی۔ محل سرای میں اور کنیزیں بھی تھیں لیکن بادشاہ جانشناک اس کے دکھ
کا علاج ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی نہیں۔ وہ شفا کی آغوش میں
دبکا ہوا کسی اور آغوش کی فکر میں کھو یا رہا۔ اس نے ہمایت کر بے شفا
کو مناٹپ کیا۔ ”شفا! کیا تو بتا سکتی ہے کہ ماں جانب پسلیدن کے پیچے
دھڑکنے والا سبھا ب صفت گوشت کا لوٹھرا اکن کن پیزیر دن سے سکون
پاتا ہے؟“

شفا نے جواب دیا۔ ”ایسا لمور مین! یہ ایک ڈسوار سوال ہے اور
اس کا صحیح جواب تردد ہی نوگ دے سکیں گے جو دن رات کسی نہ کسی
گھقی کو سمجھاتے ہی رہتے ہیں لیکن اگر میں اس کا جواب دوں گی تو ہمی
کہوں گی کہ دنیا کے سارے ہنگامے عقل و خرد کے دم سے ہیں، اس کو خدا کا نے

تو بادل کی طرح غیر جائز فیاض ہے، تو ہماری طرح فیض رسان
ہے اور تجھے میں دھوپ جیسا جنتبہ سزا برستی اور بخشنده سامنے
تیرے لئے یہ کتنی بد تفصیلی کی بات ہے کہ جب تو کسی کو لذات ہوتا ہے
تو ایک طرف اس سے فقیہان شہر کو ڈھکا ہوتا ہے تو دوسری طرف
ایک دہ ذات شاکی ہو جاتی ہے جسے تو سب سے زیادہ چاہتا ہے
جسے سب سے زیادہ لذات ہے اور جس پر تو دوسری سے زیادہ
مہر بان ہے۔

لیکن اے دنیا کے سب سے زیادہ مہربان انسان! تو ملوں نہ بولنا
دنیا سے دوں تی یہی ریت ہے، یہاں رُدش یہی فطرت ہے یہ ہمیشہ
سے ظالموں کی شکر گزار اور محسنوں کی شاکی مری ہے جب دوسرے کو
کچھ دیا جاتا ہے تو یہ اس پر حسد کرنی ہے کہ وہ سب کچھ اسے کیوں
نہیں دیا گیا۔

اور جب اسے دیا جاتا ہے تو شکر گزار ہونے کے بجائے، کم دیشے
جلنے کا گلہ کرنی ہے لے شریف انسان! تو اسے مطمئن نہیں کر سکتا۔

تیرے لئے یہاں ہمتر ہے کہ تو نبیوں کی طرح صبر و رضا کی راہ اختیار کر
دنیا سے دوں اپنی اظہر نہیں بدل سکتی اور تو اپنی سرشت نہیں چھوڑ
سکتا۔ تم دلوں ہی مجبور ہو۔

حکم کے پاس اس کے برا کچھ بھی نہیں کہ یہ تم دعویٰ سے عبرت اور
تاسف حاصل کرے؟“

عبد الرحمن نے کنیز حکم کا یہ گیت بہت پسند کیا۔ بے ساختہ اسے سے
ٹکالیا۔ بولا۔ ”حکم! تو نے میرے دل سے ملا اور کر درت کی گردھوڑتی۔ اب
میں ہمہت خوش ہوں!“

حکم نے نبیز کا ایک پیالہ بادشاہ کے ہونٹوں سے لگانا چاہا لیکن بادشاہ
نے یہ پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور اسے ہمایت محبت سے اپنے ہاتھوں
سے خود اس کو پلا یا۔ بادشاہ نے اس کی پیشانی کو بوس دیا اور کہا۔ ”میں کتنا
خوش قسمت انسان ہوں کہ مجھے فیضوں میں امام۔ سیکھی، عورتوں میں نور اور گانے
۸۰

امتیاز ہے۔

بادشاہ شفافی آغوش سے بھی اکتا گیا۔ وہ پنے عمل میں چلا گیا اور
دہان پنے غلام نصر کو طلب کیا۔ جب نصر آگیا تو اس نے حکم دیا۔ "میر سردار
کو جانا چاہتا ہوں، اس کا انتظام کیا جائے۔"
نصر نے دریافت کیا۔ "امیر المؤمنین اپنے ساتھ کس کو لے
جائیں گے؟"
بادشاہ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔ "تقریباً سوسوا
سو افراد کی فہرست تم خود تیار کر دے لیکن ان میں میری طرب مزور شامل
ہوگی!"
نصر چلا گیا اور بادشاہ یہ سوچتا رہ گیا کہ غیر ارادی طرد پر یہ طرب
کا نام اس کی زبان سے کیوں نکل گیا؟

* * *

سیر دشکار کے انتظامات ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے ایک کنیز کو طرب کی
خدمت میں روانہ کیا، لیکن کچھ دیر بعد یہ کنیز تمہارا پاس آئی کنیز کا چہرہ خوف
سے سفید پڑ گیا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ طرب کہاں ہے؟ اس
نے کیا کہا؟ دہ کیوں نہیں آئی؟ تو نور فردہ کیوں ہے؟"
کنیز نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی آواز حلق میں پھینس کر رہ گئی بادشاہ
نے بے تاب ہو کر کنیز پر ٹوٹالوں سے پکڑ کر جھنم پور ڈالا۔ پوچھا۔ "تو بولی کیوں
نہیں؟ طرب خیریت سے تو ہے؟ خدا نخواستہ اسے کچھ ہو تو نہیں گیا؟
کنیز نے اٹک اٹک کر عرض کیا۔ "اس کنیز میں اتنی ہمت نہیں ہے
کہ وہ اصل دل قتعے اور جواب کو امیر المؤمنین کے گوش گزنا کر سکے۔ ہم تیری ہی ہے کہ
امیر المؤمنین ملکہ عالیہ کے محل میں خود تشریف لے جائیں، اور دہان کی صورت
حال کا خود مشاہدہ فرمائیں۔"

بادشاہ نے مزید کوئی سوال نہ کیا اور بھاگ کر طرب کے محل میں
داخل ہو گیا۔ دہان طرب کی خواب گاہ کے دروازے اندر سے بند تھے بادشاہ
نے دروازے پر دستک دی اور دگھرا ہوئی آواز میں طرب کو آواز دی۔

کے ہیں نکردار احساس کے ہیں۔ اس لئے ایک پریشان انسان اگر سکون کا تلاشی
ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے ان اسیں پریشان سے سنجات
حاصل کر لے۔

ویہ کس طرح حکم ہے؟" بادشاہ نے کہا۔ "اس کا تیریہ مطلب ہوا کہ
میں سکون کی خاطر خود کشی کر لیوں، یعنی نکر کوئی انسان جیتے جی تو عقل و خود
ہوش و حواس اور نکردار احساس سے پچھا چھڑا نہیں سکتا۔ یا پھر یہ کہ ہر انسان
دیوار بن جاتے۔"

شفا کا پینے نکی، بلوی۔ "میں نے جو کچھ کہا، اس سے یہ رایہ مطلب
ہرگز نہ تھا۔ اس مطلب سے میں پناہ مانگتی ہوں، توبہ کرنی ہوں اور معاف
تی طلب کار ہوں۔"

بادشاہ ہنس دیا۔ "شفا! تو کیوں پریشان ہوئی ہے؟ تو نے جو جواب
دیا، وہ مہیبت حاصلانہ ہے اور اس کے جواب میں میں نے جو کچھ کہا اس میں
میری مجبوری اور بے لبی کا احساس کا فرما ہے میں تجھ سے ناخوش نہیں ہوں!"
شفا نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا۔

بادشاہ دیر تک شفافی آغوش میں ہنکھیں بند کئے پڑا۔ سوچتا رہا
یہاں اسے طرب کی یاد نے آگھیرا، دہی طرب جس نے اسے دل برداشتہ کر
دیا تھا، اب اپنی جملہ رعنایتوں اور سرستیبوں کے ساتھ عالم تصیر میں اس
کے دد بدوکھڑی تھی اور مسکرا مسکرا کر اسے اپنی آغوش میں بلاد ہی تھی۔ اس
آغوش میں بات آئی کچھ اور تھی۔ بادشاہ کی رُگ رُگ اور نہ نہ میں طرب
بسی ہدی تھی۔ اس نے منفا سے بلوچھا۔ "شفا! تو نے کبھی اس بے بھی عندر کیا
کہ ایک صاحب اختیار بھی کبھی بے بس اور نکر ہو جیا کرنا ہے، آخر
ابسا کیوں ہوتا ہے؟"

شفا نے جواب دیا۔ "امیر المؤمنین! صاحب اختیار تو بس خدا ہوتا
ہے۔ ہم انسانوں میں کوئی مکتنا بڑا انسان ہی کیوں نہ ہو، وہ کسی نہ کسی کے
سامنے کسی نہ کسی معلمے میں اور کبھی نہ کبھی بے بس ضرور ہو جاتا ہے۔ اسی
لئے عقائد و کافلوں کا قول ہے کہ خدا کی برتری اور انسان کی مکتری کے درمیان جو
خلاصا یا جاتا ہے، یہی خدا اور اس کی مختلف کے درمیان حدِ فاصل اور خط

بادشاہ نے پوچھا۔ ”تو صحیح میری اس محبت کا بھی خیال نہیں چھیرے
دل میں ہر دقت شمع کی طرح درشن رہتی ہے اور جس کی آپ سخی بیں، میں شب و
رد ز جلت ارتھتا ہوں؟“

طرب نے ترشی سے جواب دیا۔ امیر المؤمنین! آپ کی جملہ بالوں کا بھرے
پاس ایک ہی جواب ہے، وہ یہ کہ میں دردازے نہیں کھولوں گی۔“
بادشاہ دہان سے چلا آیا۔ اس نے امام سیجھی کو بلا کر اصل واقعہ بہان
کیا اور پوچھا۔ ”اب آپ ہی بتائیں میں کیا طریقہ اختیار کر دل کے طرب درد
کھول دے؟“

امام سیجھی نے پوچھا۔ ”خواب گاہ میں کھلنے پینے کا کس قدر سامان
موجود ہو گا؟“

بادشاہ نے جواب دیا۔ ” غالباً ایک دن کا بھی نہیں۔“
امام سیجھی نے کہا۔ ”تب پھر اس سرکش اور خود سرورت کا قابو میں لے
آنمشکل کام نہیں ہے۔“

بادشاہ اور اس کا غلام امام سیجھی کی تجویز سننے کے لئے بے چین
نظر آمہ ہے تھے۔

امام سیجھی نے جواباً کچھ کہا جسے کوئی بھی نہ سن سکا۔
بادشاہ نے کہا۔ ”آپ کو زمان کھلنے میں آخر تامل کیوں ہے؟“
امام سیجھی نے کہا۔ ”طرب کی خواب گاہ کو باہر سے مستقل ابھی نہ کر اور
اور اس سلسلے میں کسی کی بھی سفارش قبول نہ کرو، تقریباً ایک ماہ تک ان
دردازوں کو بند رکھو، پھر جب تم ایک ماہ بعد خواب گاہ کے دردازے کھلواؤ
گے تو اندر سے طرب کا خشک مجسمہ ملے گا۔ گویا وہ اپنی بے جا صندکی سزا
پاچھی اٹو گی۔“

بادشاہ نے غلام نظر کی طرف دیکھا۔ گویا پوچھ رہا ہو۔ ”تم کیا
چاہتے ہو نصر؟“

ذہین نظر نے سوال سننے بغیر ہی جواب دیا۔ ”ملکہ عالیہ کی
خواہشات کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے اس مرض کا علاج تو امیر المؤمنین
کو کرنا ہی پڑے گا۔“

”طرب! تم اندر کیا کمرہ ہی ہو دردازے کھولو۔“
اندر سے طرب کی آدا آئی۔ ”امیر المؤمنین! داپس تشریف لے جائیں
میں دردازے نہیں کھلوں گی۔“

بادشاہ نے پوچھا۔ ”آخربات کیا ہے؟“
طرب بنے کہا۔ ”میں نے ایک بار کہہ دیا کہ میں دردازے نہیں
کھلوں گی۔“

”میں سیر و شکار کو جارہا ہوں اور اپنے ساتھ تجھے بھی لے جانا
چاہتا ہوں۔“

طرب نے بے مردی سے جواب دیا۔ ”آپ اپنے امراء کو ساتھ لے جائیں۔
مدشہ کو لے جائیں، حکم اور شفا کو لے جائیں۔ نریاب اور اس کے بیٹوں کو
لے جائیں، امیر المؤمنین کے ساتھ جانے میں کس کو عار ہو گا؟“

بادشاہ نے جواب دیا۔ ”لیکن میں تجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔“
طرب نے غصے میں کہا۔ ”لیکن میں بادبار ہی کھوں گی کہ میں آپ
کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“

بادشاہ نے بھی غصے میں کہا۔ ”لیکن میں تجھے اپنے ساتھ ہر قیمت لے
جاؤں گا اور تیری خواب گاہ کے دردازے نڑوادوں کا۔“

”بشقوق نڑوادیجہ۔“ طرب نے اسی طرح جواب دیا۔ ”آپ دردازے
تڑوادیجہ، فوج لے آئیئے، خون خمراہ کرایتے جو جی میں آئتے کر گزریتے
لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ میں دردازے نہیں کھلوں گی اور
دردازوں کے بڑھ جانے کے بعد نبھی میں آپ کے ہاتھ نہیں آؤں گی۔“

بادشاہ نے بے بسی سے کہا۔ ”طرب! مجھے زیادہ مت پیریشان
کر، دردازے کھوں دے۔“

اب طرب نے خاموشی اختیار کر لی۔ بادشاہ نے ایک بار پھر نور
نور سے دشک دی اور پوچھا۔ ”آخر تو مجھے اپنی دہ مژرا لٹبتا، جنہیں پوری
کر کے میں دردازے کھلوا سکتا ہوں؟“

طرب نے جواب دیا۔ ”یہ ترکیب اور مژرا آپ مدرنہ، حکم اور شفا
سے جا کر معلوم کریں، میں نہیں جانتی!“

کی تھیلیوں کا ڈھیر لگا دیا۔ تھیلیوں میں خواب گاہ کا دروازہ رد پوش ہو گیا۔
 بادشاہ نے ایک بار پھر طرب کو منا طب کیا۔ "طرب! دروازہ کھول
 اور دیکھ کر تیرے در پر دیناروں کی تتنی تھیلیاں رکھ دی ٹھی ہیں۔"
 انہی سے طرب نے سوال کیا۔ "لیکن یہ تھیلیاں میرے کس کام کی ہیں؟"
 بادشاہ نے کہا۔ "اگر تو دروازہ کھول دے تو یہ ساری تھیلیاں تیری
 ہو جائیں گے۔"
 طرب کا لمحہ ہی بدل گیا۔ پھر سرت بھے میں پوچھا۔ "پچھے کیا میں
 امیر المؤمنین کے قتل پر لفین کر لوں ہیں؟"
 بادشاہ نے جواب دیا۔ "طرب! کیا تیری سمجھتی ہے کہ ایک بادشاہ تجھ
 سے وعدہ خلافی کرے گا؟"
 "مہیں۔ میں ایسا سوچ سمجھی مہیں سکتی۔" طرب نے کہا۔ "لیکن اب
 سمجھی دروازے کھولنے کو جو مہیں چاہتا۔"
 بادشاہ نے کہا۔ "طرب! اب زیادہ تنگ نہ کر۔"
 طرب نے پوچھا۔ "اگر میں دروازے کھول سمجھی دوں تو اس سے
 امیر المؤمنین کو نیا لے گا؟"
 بادشاہ نے جواب دیا۔ "میری آنکھیں تیری دید کو ترس گئی ہیں اس
 وقت تو تیری دید ہی میرے لئے سب کچھ ہے۔!"
 طرب نے شوخی سے کہا۔ "میری دید میں آپ کو ایک شے نذر کرنا
 پڑھے گی۔"
 "کون سی شے؟"
 "شاہی خزانے کا وہ ہار، جس کی قیمت کا آج تک تعین ہی مہیں
 کیا جاسکا۔"
 شاہی خزانے کے نگران نے دیے لفظوں میں بادشاہ کو خبردار کیا۔
 "امیر المؤمنین کی مرضی اور ان کا حکم سراً نکھلوں پر لیکن اس حقیر کی راتے
 میں یہ ہار خزانے سے مہیں نکلے گا۔"
 بادشاہ نے خشمگیں لے جئے میں پوچھا۔ "وہ کیوں؟"
 خزانے کے نگران نے کہا۔ "اس لئے کہ یہ ہار مہایت بیش قیمت ہے
 ۸۸"

بادشاہ نے کہا۔ "دی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر اس مرض کا علاج
 ہے کیا؟"
 نظر نے جواب دیا۔ "امام سعیی نے جو علاج سمجھو یہ کیا ہے وہ
 ہمتر ہے!"
 بادشاہ نے امام سعیی سے کہا۔ "آپ کے مشدے کا میں شکر گزار ہوں۔
 آپ جا سکتے ہیں۔"
 امام سعیی اسی وقت دہاں سے جلے گئے۔ ان کے سنتے ہی بادشاہ نظر
 پر گرم ہو گیا۔ بولا۔ "تو نے یہ مشدہ دیا کیسے کہ میں طرب کی خواب گاہ کو
 باہر سے بند کر دوں ہیں؟"
 نظر نے خوف زدہ ہو کر جواب دیا۔ "میں نے وہ مشورہ مہیں دیا تھا
 بلکہ امام سعیی کی عظمت اور بندرگی کے پیش نظر میں نے ان کی تائید کر
 دی تھی۔"
 بادشاہ نے ڈالنا۔ "تجھے ان کی تائید سمجھی مہیں کرنی چاہئے تھی۔"
 نظر نے آہستہ سے کہا۔ "آنندہ میں اس کا خیال رکھوں گا۔"
 بادشاہ نے نصر کو ہبڑا بھلا اٹاتے ہوئے کہا۔ "تجھے میری اسی محبت کا
 ضرد خیال کرنا چاہئے تھا جو مجھے طرب سے ہے لیکن تو نے اس کا سمجھی کوئی
 خیال مہیں کیا۔" اس کے بعد افسوس سے بولا۔ "طرب کے بارے میں تیرے
 احساسات کے علم نے مجھے بہت غم زدہ کر دیا ہے، مجھے کم از کم تجھ سے ایسی
 امید نہیں تھی۔"
 نظر بادشاہ کے قدموں میں گر گیا۔ عاجز ہی سے بولا۔ "امیر المؤمنین! میں
 اپنے مشدے پر مشتمل ہوں، مجھے معاف کر دیجئے یہ۔"
 بادشاہ نے حکم دیا۔ "خزاںی کو بولا۔"
 نظر نے فوراً ہی شاہی خزانے کے نگران کو حاضر کر دیا۔ بادشاہ نے
 اسے حکم دیا۔ "خزانے سے دیناروں کی تھیلیاں لائی جائیں کہ اگر انہیں طرب
 کی خواب گاہ کے در پر نہیں اور پر کھا جائے تو خواب گاہ کا دروازہ اس میں
 چھپ جاتے۔"
 خزانے کے نگران نے ذرا سی دیر میں، طرب کے در پر دیناروں

ادہ اسے شاہی خزانے کی زینت رہنا چاہیے۔“

بادشاہ نے ناخوشگوار لمحے میں کہا۔ “ہمار کتنا ہی بیش قیمت کیوں
نہ ہو، یعنی وہ طوب سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتا۔ رہا شاہی خزانے کی
زینت بننے کا سوال تو ہمار خزانے کی نہیں گردن کی زینت ہوتا ہے اور طوب کے
گلے سے زیادہ مقام زینت اور کیا ہو سکتا ہے؟“

خزانے کے نگران نے کہا۔“اگر امیر المؤمنین کی یہی صرفی ہے کہ وہ ہمار
ملکہ عالیہ کے گلے کی زینت بننے تو اس غلام کی کیا مجال ہے کہ جیل و حجت
سے کام لے؟“

وہ ہمار لینے چلا گیا اور بادشاہ نے طوب کو مخاطب کیا۔“طوب! میں
نے وہ ہمار بھی منگوایا ہے اب تو در دار نے کھول دے۔“

طوب نے آہستہ سے کہا۔“اگر امیر المؤمنین سے محبت کا اثر ہے کہ میں
در دار نے کھولے دے رہی ہوں در نہ میں نے تو آج یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میر
کے ہی اپنی خواب گاہ سے نیکلوں گی۔“

بادشاہ نے کہا۔“طوب! اگر تو نہ رہی تو میں کب نزدہ رہوں گا، میں
بھی مر جاؤں گا!“

بادشاہ نے در دار نہ کھلے جانے کی آہٹ سنی اور بے تابانہ دار
آگے بڑھا۔ در دار آہستہ آہستہ اندر کی طرف کھلنے لگا اور دیناروں کی
تھیلیاں بھی در دار سے کے ساتھ ہی اندر کی طرف کھکنے لگیں۔ بادشاہ
نے پوری طرح در دار کھلنے کا انتظار بھی نہیں کیا، پوری قوت سے دھکا
رے کر اندر داخل ہو گیا۔ طوب بادشاہ کے قدموں میں گر گئی اور سیک
سیک کر رونے لگی۔ بادشاہ نے اسے قدموں سے اٹھا کر اپنے سینے
سے لگالیا اور بے دخل دخسار پر بوسوں کی بارش کر دی۔ بولا۔“طوب! نوکیوں
روزہ ہجاتے ہیں تجھے کیا اہوا و مونا تو مجھے چاہیے، تو مت رو۔“

طوب نے سیکیاں لٹتے ہوئے کہا۔“میں اپنی غلطی پر نادم
ہوں کہ میں نے امیر المؤمنین کو بڑی تکلیف دی۔ میں نے آپ کا دل ڈکھایا
ہے اور اب میں ہر وہ میرا جھیلے کو تیار ہوں جو امیر المؤمنین مجھے دے سکتے ہیں۔
بادشاہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے۔ بولا۔“میں اور

تجھے سزادوں؟ طوب! تو کیسی باتیں کر رہی ہے، تجھے سزادی نے کایہ مطلب
ہے کہ میں پس آپ کو سزادے لوں۔“

طوب ردن رہی اور بادشاہ اسے تسلیاں دیتا رہا۔
شاہی خزانے سے پار بھی آگیا، بادشاہ نے ہار لے کر خزانے کے نگران
کو واپس بھیج دیا لیکن دہاں نظر اب بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے اسے حکم دیا
“نصر! تجدید تعلق کی خوشی میں فقراء اور عزباء کو نواز دینے کا میری طرف
سے حکم صادر کر دو۔“

نصر نے سر جھکا دیا اور عاجزی سے بولا۔“ہمہت بہتر ہے امیر المؤمنین“
نصر بھی وہاں سے چلا گیا۔ بادشاہ نے طوب کو پوری قوت سے چھٹا
لیا۔ پوری چھٹا۔“آخر تو مجھ سے بدگمان کیوں ہو گئی تھی؟“

طوب نے جواب دیا۔“میں یہ نہیں برداشت کر سکتی کہ مدمرہ حکم اور
شفا کو بھی اسی پارٹے میں بھٹھا دیا جلتے، جس میں میں پہلے ہی سے موجود ہو رہا
بادشاہ نے جواب دیا۔“طوب! تو یقین کر کہ میرے دل میں جو ترا
مقام ہے کسی اور کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔“

بادشاہ نے بیش قیمت ہار طوب کے گلے میں ڈال دیا اور بولا۔
”یہ دیناروں کی تھیلیاں بھی اب تیری ہیں میں اپنے لے جا اور اپنے مستقبل
کی طرف سے بے نیاز اور بے فکر ہو جائے۔“

طوب بادشاہ کو چھپو کر ان تھیلیوں کی طرف راعب ہوئی اور
امیں اٹھا اٹھا کر ایک کونے میں جمع کرنے لگی۔ بادشاہ اس کے اس
 فعل کو شوق اور دلچسپی سے کچھ دیر دیکھتا رہا اس کے بعد خود بھی ان تھیلیوں
کے پاس پہنچ گیا۔ بولا۔“یہ کام بترا نہیں ابھی کیزدھ کو حکم دے دہا اپنی
اٹھا اٹھا جہاں تو تجھے گی، رکھ دیں گی۔“

طوب نے جواب دیا۔“یہ کام میں خود کر دیں گی، مجھے خود کرنے
بہت اچھا لگ رہا ہے۔“

بادشاہ نے کہا۔“تب پھر تیر کی خاطر مجھے بھی تیری مدد کرنی ہو گی۔“
اور بھر دہ خود بھی تھیلیاں اٹھا اٹھا کر طوب کا متریک کام ہو گیا۔
بادشاہ نے سیر دشکار کا منصوبہ ملتی کر دیا۔

طرب اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ مجھے اجازت دیجئے۔ آج مجھے اپنی حیثیت
کا پتہ چل گیا۔۔۔۔۔

بادشاہ نے اس کا باتھ پکڑنا چاہا لیکن اس نے جھٹک دیا۔ بادشاہ کو
اس کی یہ ادا پسند تو نہیں آئی۔ لیکن پھر بھی وہ اٹھا اور طرب کو رک دیا۔ بولا
”طرب! تو ناراض کیوں ہوتی ہے۔ میں تیرے لئے یہ تقریب بھی منعقد کر دیں گا
تو فکر مندر نہ ہو، اور خود کو ملوں نہ کر!“

طرب نے افسردگی سے کہا۔ بادشاہ کو یہی عادت اور مزاج کا خوب علم
ہے، میری نازک مزاجی ایسی بالوں کی مغلبل نہیں ہو سکتی جن میں میں دوسروں
کے سادے قرار دی جاؤں اور دوسروں سے بھی میرے ہمسر ہو جائیں“

بادشاہ نے طرب کو منٹے میں کوئی دقیقہ فروگز است ہیں کیا اور
اسے بڑی مشکلیوں سے راضی کیا گو کہ اس کو کشش میں اسے طرب کی فدیت
میں دو نہایت بیش قیمت انگوٹھیاں پیش کرنی پڑیں۔

بادشاہ نے اس تقریب کا لیوں اہتمام کیا کہ اس میں زریاب کی دلوں
لٹکیاں غلبیہ اور حمر و نہ اور زردیاں کی فالوں شاگرد بھی بلائی گئیں۔ انہی
میں حکم کو بھی شامل کر دیا گیا اور اس تقریب کو کچھ یا سارے گیا کیا کمال
مغناقوں کا ایک مقابلہ منعقد کر دیا گیا ہے لیکن اس مقابلے میں حکم تو
نہیں شامل کیا جاتے گا بلکہ وہ جو کچھ بھی سنانے کی مقابلے سے مستثنی ہو
کر سناتے گی۔

یہ بات چھیننے والی نہیں تھی کہ اس تقریب موسیقی کے پیچھے کون سے
اسباب اور عوامل کا رفرماہیں اور اس کا انعقاد کس نئی خواہش پر ہو رہا ہے
مدشہ اور شفاف حکم کی طرف مارہ ہو گئیں اور ان دلوں نے حکم کو خوب خوب
سکھایا پڑھایا کہ جس طرح بھی ممکن ہو طرب کو شرمسار ضرور کیا جائے۔
غلام نصر نے بھی کسی کے ذریعے حکم کو یہ پیغام بھیجا کہ اس کی ہمدردیاں بھم
کے ساتھ ہیں۔

فصریحتیں اس تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ آل مردان نے دشمن کی
یاد میں یہ قصر تعمیر کرایا تھا۔ بہاں درکے پہاڑوں سے انہیں دوز راستوں
سے چشمدوں کا پانی لا یا گیا تھا۔ چاندی۔ جست اور دوسروں کے

بادشاہ نے ایک بار پھر طرب کی بارگاہ نیاز میں نیاز مندی دکھانا
تشریع کر دی۔ یعنی فیصلہ کو بادشاہ کی رہش ذرا بھی پسند نہیں آ رہی تھی
لیکن وہ بادشاہ کی کھلمن کھلامی الافت نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں بادشاہ کی
ذات میں کچھ غیر معمولی خوبیاں بھی نظر آتی تھیں۔ طرب اس فکر میں تھی
کہ وہ بادشاہ کو آن سب تی طرف سے باظن کر دے۔ لے سے یہ بھی معلوم
ہو چکا تھا کہ حکم نے بادشاہ کو ایک ایسا گیت سنایا تھا جس کا رد تے سعن
خود طرب کی طرف تھا۔ اس نے بالوں ہی بالوں میں بادشاہ سے اس ملٹے
بیس پر چھا بھی لیکن بادشاہ ٹال گیا۔

انہی دلوں ملک میں بغادتوں کا سلسہ تشریع ہو گیا۔ بادشاہ ادھر
مشغول ہو گیا۔ اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے فوجیں بھینے لگا۔ ان فوجوں نے
ہر جگہ کامیابی حاصل کی۔ ان مشغولیات نے بادشاہ کو ہر طرف سے غافل
کر دیا ایک عرصے بعد جب بادشاہ کر باغیوں کی سرکوبی سے کھڑک فضت ملی تو
اس نے طرب کی بامگاہ میں جا کر عنم زمانہ سے سجنات حاصل چی اس موقع
پر طرب نے حکم سے بدل لیتے کی ایک عجیب ترکیب سوچی۔ اس نے حکم کی
ذہانت، حاضر جو ابی اور کانے کی بڑی تعریف کی اور بادشاہ کو مجبور کیا کہ
وہ ایک محفل موسیقی منعقد کرے اور اس میں طرب کو حکم کا گانا ساتے۔

بادشاہ نے جواب دیا۔ ایسا ممکن تو ہے لیکن کیا اس طرح تو حکم کی نفرت
اور بغضہ دعند کا شکار نہ ہو جاتے گی؟“

طرب نے پوچھا۔ ”نیسی نفرت؟ کس بات کا بغضہ دعند؟“
بادشاہ نے کہا۔ ”وہ یہ کس طرح ٹوادا کمرے گی کہ تیری موجودگی میں ایک
عام مغنیہ کی طرح کا کمر تراول بھلاتے ہے۔“

طرب روٹھ گئی، بولی۔ ”کیا بادشاہ کے محل سر اور حرم میں مجھے
امتیازی حیثیت نہیں حاصل ہے؟“

”ہے اور بالکل ہے لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ حکم یا کسی اور کو
بلاد جذیل یا شرمسار کر دیں۔“

بے لیکن تم نے تو اپنے بال بھی چھوٹے کر لئے ہیں اور مانگ بھی ترجمہ نکالی ہے
آخر یہ کس کے طور طریقے تم نے اپنائے ہیں؟“
زدیاب نے جواب دیا۔ ”محترم امیر! یہ میرا خود ساختہ طریقہ ہے ہیرے
اس طریقے میں ایک تھن ہے جسے آپ بھی محض فرمائے ہیں؟“
بادشاہ نے محض کیا کہ زدیاب درست ہے میرا ہے۔ ترجمہ مانگ اور
بالوں کی کمی نے اس میں دلکشی پیدا کر دی تھی۔ زدیاب کی اس تمنہ نی تبدیلی
کو ہر ایک دلپسی اور شوق سے دیکھتا تھا۔

کانے سے پہلے آنے والوں کی کھانے سے ضیافت کا انظام کیا گیا
تھا۔ ایک شامیانے کے پیچے سونے اور چاندی کے برتنوں کا انبار لگا ہوا
تھا۔ زدیاب نے بادشاہ سے درخواست کی۔ ”حضور! میں سونے چاندی کے
برتنوں میں کھانا نہیں کھاتا۔ یونک کوئی بھی دھات ہواں میں میں ضرور جرم
جاتا ہے۔ میں نے شیشے کے برتنوں میں کھانا نہ رکھ کر دیا ہے اس کے کمی
فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کی صفائی سکھرانی بآسانی ہو جاتی ہے اور دوسروے
یہ کہ شیشے کے شفاف برتن میں کھانا دیکھ کر طبیعت کھانے پر راغب ہو جاتی
ہے اور جب کھانے کی طرف طبیعت راغب ہو جاتی ہے تو اس کھانا اضم
بھی جلد ہو جاتا ہے۔“

بادشاہ نے ہنس کر طنز یہ پوچھا۔ ”زدیاب! تم مو سیقاہ ہو یا اہر تھاں
میں تو ابھی تک تھیں نہیں ہیجان سکا۔“

زدیاب نے جواب دیا۔ ”حضرت والا با تین توہمت سی ایسی ہیں جن
پر لگ چڑنک چڑنگ جائیں گے لیکن یہ حفل مو سیقی کی ہے اس لئے ہم تھے
کہ یہاں جو کچھ بھی اہر، اس کا کسی نہ کسی طور مو سیقی ہی سے تعلق ہونا چاہیے۔“
بادشاہ نے ہنس کر کہا۔ ”بہت خوب۔ میں اس کا خیال رکھوں گا۔“

کھانے پنے کا زور دار درچلا۔ زدیاب اور اس سے متعلق ہمان شیشے
کے برتنوں میں کھاتے ہیں رہے۔ ماری حفل زدیاب اور اس کی اختراعات کو
حیرت دیکھ اور شوق داشتیاً قسے دیکھ دی تھی۔

بادشاہ نے جس موٹے اور دینیزہ شمی تکے کا سہارا لے رکھا تھا اس
کارنگ گھر ایسا حقا جس پر زرد اور مرد طریقہ باریک پیشان پڑی ہوئی

نیوں کا جال بجا ہوا تھا، ان نیوں کے منہ بھی عجیب عجیب شکلوں کے تھے
کہیں بھی کی شکل تھی۔ کہیں بطن کی چورخ کی طرح، کہیں کسی دوسرے خوشنا
پرندہ کی طرح پر جو دھویں کے چاند نے قصرِ مشق کے اس سبزہ زار کو اپی اُدھی
وہی سر در نیم چاند نے منور کمر کھاتھا جس برد در در تک ایک میباڑا
سالگا ہوا تھا اس تقریب میں محلِ سر اکی معزز خواتین کے علاوہ نامی گرامی امراء کی
زدیاب بھی مشریک ہوتی تھیں۔

بودھ سبزہ زار پھولوں اور بامیوں کی خوبیوں سے مہک رہا تھا جو شبو
کی تیزی اور شدت نے بعض نازک مزاج خواتین کو زکام میں بدلنا کر دیا۔
قصر کے صدر دروازے سے زدیاب اور اس کی بیٹیوں کی سواری
داخل ہوئی تو بیکات اور خواتین میں غیر معقولی جوش و تمددش پیدا ہو گیا۔ اور
گھوں سے بے معنی آوازیں نکلنے لگیں۔ سبزہ زار پر ان کے لئے ایک مخصوص
جگہ مقرر تھی۔ زدیاب کی سواری کے پیچے ایک اور گاؤں تھی اس میں زدیاب
کا ساز و سامان رکھا تھا۔ اس گاؤں کی تھی پیچے چند اور گاؤں تھیں ان میں
زدیاب کی شاگرد غفاری یعنی بیٹیوں تھیں۔

سب کے آخر میں قصر ہی کے ایک گوشے سے بادشاہ اپنی بیگمات
اور حرم کے ساتھ سوڈاں ہوا طرب نے اس کا باعث پکڑ کھا لھا اور یہ بادشاہ
کے داییں جانب تھی۔ بایس طرف مدثرہ تھی۔ لیکن یہ بادشاہ سے ایک قدم
پیچے تھی۔ مدثرہ کے پیچے حکم اور شفا تھیں اور یہ دو تین مدثرہ سے بھی ایک
ایک قدم پیچے تھیں۔ ساری محفل متذکر کھڑی ہو گئی۔ محفل کی خواتین اور
دوسرے لوگ آئنے سامنے دو قطاروں میں کھڑے تھے، بادشاہ اور اس کی
حرم ان کے درمیان سے گزر رہے تھے۔

بادشاہ نے زدیاب کی مزاج پرنسی کی اور اسے نحمت استقبال
زادیاب نے سر کے بال چھوٹے کمرا کھے تھے اور مانگ ترجمہ نکلی ہوئی تھی
بادشاہ نے چلتے چلتے زدیاب سے سوال کیا۔ ”زدیاب! لوگوں کے بال تو
لگتی ہوں تک اس طرح بڑھے اور پھیلے ہوتے ہیں کہ گردن کا پیچھا احتصار
میں چھپ جاتا ہے اس کے علاوہ اب تک مانگ بھی سیدھی ہی تکالی جاتی رہی

یہ بھی جو نام سر فرست ہو گا وہ رئیس المغتیں ابوالحسن علی بن نافع الملقب
بے ندیاب ہو گا۔

آخر میں حمدونہ نے اسماعیل موصلي کو بڑا بھلا کھا۔

بُجَرْ اہواں حسد کا جس نے استاد زمانہ اسماعیل موصلي کو بھی جرا کر دیا
ہیں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ اسماعیل موصلي کا نام مستقبل میں ہر فر
غلط کی طرح مت چکا ہو گا لیکن علی بن نافع کا نام زندہ دپا ترہ
رسے گا۔

محبہ سے نمانے نے پوچھا تیرے باپ زریاب کی سب سے بڑی برقستی
کیا ہے؟

یہ نے جواب دیا۔ اس کے دامنِ کمال پر اسماعیل موصلي کی شاگردی
کا بدشہزاداغ۔

محبہ سے نمانے نے پوچھا۔ اسماعیل موصلي کی خوش قسمتی اور هشوف د
عزت کا سبب؟

یہ نے جواب دیا۔ بیرے باپ کے استاد ہونے کا درخشش جھوٹ مر۔

محفل کا بہت بڑا عالٰ نہما، دفترِ عنم سے بعض کی اچکیاں بندھ گئیں۔

جب حمدونہ اپنے باپ کے پاس داپس آگئی تو اس نے بھی کوڈا انشا
”تجھے میرے استاد کو بڑا بھلا کہنے کا حق کس نے دیا؟“

حمدونہ نے جواب دیا۔ ”اس کے حسنے، اس کی پیشہ درانے مقابلت
نے، اس کی معاصرانہ دشمنی نے۔“

زریاب نے کہا۔ ”جب یہ نے اسے معاف کر دیا تو تُلب کشاں کیوں
کر رہی ہے؟“

حمدونہ خالوش ہو گئی۔ زریاب نے کہا۔ ”تو نے اپنے گیت میں اپنے محسن
بادشاہ کا کوئی ذکر مثبت کیا؟“

حمدونہ نے جواب دیا۔ ”محض اس خیال سے کہ مددوح کے سامنے مددح
کرنے سے سچ کاغذ ہو جاتا ہے اور مددح سرافی ہے اور باری قصیدہ گوئی کا رنگ
پیدا ہو جاتا ہے ایک ایسی قصیدہ گوئی، جس میں مددوح کی اُن تمام صفات کا
ذکر آ جاتا ہے جو اس میں سرے سے ہوتے ہیں نہیں!“

تھیں ادران پیشوں پر اجھری ہوئی مشیہ میں تھیں۔ بادشاہ کے سامنے نہایت
شہت سے طرب نیم دراز تھی۔ اس کی ایک کھنچی بادشاہ کی ران میں پیروست
تھی طرب سے ترا دار مدثرہ حکم اور سفرا بیٹھی تھیں۔

کافی رات لئے موسیقی کا آغاز ہوا۔ پہلے زریاب کی شاگرد اڑکیوں
ادر عورتوں نے گیت لگائے۔ ان کے بعد مہان خواتین میں سے چند نے اپنے
اپنے گیت سناتے۔

آخر زریاب کی بیٹھی علیہ کی باری آگئی۔ جب یہ گانے والیوں کی
مقربہ جگری رجہ کر پڑی گئی تو بادشاہ اور طرب کی ایما پر حاضر بن محفل نے شور
استقبال بلند کیا۔

علیہ نے کاناٹ روئے کیا۔ خود اس نے اپنے باپ کا عود پکڑ رکھا
تھا اور گانے کے سامنہ ساتھ سیدھے ہاتھ کی پہنچی انکلی میں سچنسی ہوئی
عقاب کی بڑتی کی مضراب سے عود کے رنگ بر نگے تاروں کو چھیر دی جا رہی
تھی۔ پچھے اور دائیں پا بیٹھے ہوتے سازندے اپنے اپنے سازوں میں
آئجھے ہوتے تھے۔ سامعین کو اپنے تن من کا ہوش رہتا۔ طرب خوش ہو
رہی تھی کہ اج یہ بالکل مغناطیسی حکم کو شرمنہ دذلیل کر کے رکھ دیں گی۔ اس
نے کہی بار حکم کو زدیدہ نظروں سے دیکھا اور اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ
لگانے کی کوشش کی تیکن بظاہرہ با تکل مطمئن تھی۔

جب علیہ گاچکی تو بادشاہ کی ایما اور تائید میں ایک بار پھر بوری محفل
نے صدرتے داد دھمین بلند کی۔

اب حمدونہ کی باری تھی اور یہ زریاب کی نہایت بالکل بیٹھی تھی اس کے
آتے ہی بوری محفل احمد بن گوش ہو گئی۔ حمدونہ نے ایک پتہ دد گیت سفر دعے کیا۔
اس نے اپنے باپ کی آوارہ گردی اور سفری مصادب کا انتساب پر در د نقشہ کھینچیا کہ
لوگوں کی آہیں نکل گئیں۔ اس نے اپنے گیت میں یہاں تک کہہ دیا کہ اس کے
باپ کو ان تمام بادشاہوں تک پر فتویقت حاصل ہے جو حکومتیں اپنے باپ
یا بچا سے دلتیں پا جاتے ہیں۔ اس نے اپنے باپ کے فن اور کمال کی تعریف
کرتے ہوتے کہا کہ جب موسیقی اور مغتیوں کی تاریخ ترتیب دی جاتے گی اور
ماضی سے مستقبل تک ہزاروں سال پر مشتمل ایک جامع فہرست تیار ہو گی تو اس

محسن طلب کریا۔ انہوں نے پتے رب سے کہا۔ اس حشن کے ساتھ ہیں ایک ایسا ظرف بھی عطا فرمادے جو کبھی سیریزی نہ ہو، جو ہمیشہ مزید کی طلب میں رہے۔ رب نے انہیں یہ سب عطا فرمادیا۔ اور انہوں سے کہا۔ زمانہ کی قسم انسان بڑے خمارے میں ہے وہ اولاد آج ہم سب کے سامنے بڑے تماشے دکھانی ہیں ان کے حسن نے انہیں سب سے ادنیٰ مقام پر پہنچا دیا ہے یہاں ان کی حوصلہ دائزے انہیں سب سے نیچے پڑا دیا ہے۔

یہ اپنے رب کی شکرگزار ہوں کہ میں افراط و تفریط کی شکار نہیں۔ کہتے ہیں، فرشتوں نے آدم سے پوچھا۔ کیا یہ حسن دجال کے پیکار در حوصلہ داوس کے غلام نیری ہی اولادیں ہیں؟

آدم نے انہوں سے جواب دیا۔ اگر مجھے دلوقت سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ بھی میری ہی اولادیں ہیں تو میں دو میں سے ایک کام ضرور کروں۔ یا تو ایسی بے ہودہ اور دون فطرت اولاد پیدا کرنے کے جرم میں حوا کو طلاق دے دوں یا پھر ان نالائق اولادوں کو عاق کر دوں؟

پوری محفل کا ہنسی کے مارے بڑا حال تھا، خود بادشاہ بھی ہنسی روکنے کی کوشش میں طردب کی گھنی زلیخوں میں اپنا پھرہ چھپائے لے رہا تھا طردب عنصتے میں پاگل ہو رہی تھی۔ بادشاہ نے اس کے کان میں کہا۔ طردب! خود کو قابو میں رکھ، درتہ محفل کے لوگ تجھے پہچان دیں گے!

طردب نے طیش میں کہا۔ تو آپ بھی مجھے یہی سمجھتے ہیں؟“ بادشاہ نے جواب دیا۔ یہی تجھے یہ تو نہیں سمجھتا یعنی حکم کے مزاح نے مستقل امیرے پیٹ میں گد گدی کر رکھی ہے۔“

طردب نے کہا۔“ مجھے اس محفل میں لا کر ذلیل کیا گیا ہے؟“ بادشاہ نے جواب دیا۔“ اس محفل کا لفظقاد تیری مرضی اور تیری خواہ پر ہوا ہے۔ اگر تو پسند کرے تو تو مجھی حکم کی جگہ پر جا بیٹھا اور اسی طرح اسے تو بھی ذلیل کر دے۔“

طردب نے عنصتے میں کہا۔“ میں ملکہ ہوں، کوئی مسخری یا پھر کہا باز نہیں؟““ تب پھر چُپ رہا“ بادشاہ نے کہا۔

بادشاہ نے زریاب کو مزید بحر جو ادمرنیش سے مذکور دیا۔“ زریاب! اب بس بھی کرتی ری بیٹھی حاضر جواب ہے اور اس لائق ہے کہ اسے کسی امیر پاڈنی سے منسوب کیا جاتے؟“ زریاب چُپ ہو گیا۔ اب بادشاہ کی کینز حکم کی باری تھی جب وہ گانے والیوں کی مقررہ جگہ پر ہی پی تو ہلکا ہلکا شورہ استقبال بلند ہوا طردب سنہل کر بیٹھ گئی۔ مثراہ اور شفا کے دلوں کی دھڑکن ذرا تیز ہو گئی کیونکہ یہ بھری آزمائش کا وقت تھا۔

حکم نے تمہید اُغص کیا۔“ علیہ احمد حمد و نہ کے بعد ساپنارنگ جمانا بڑا مشکل کام ہے۔ یہ اس عہد کے سب سے بڑے معنی کی بامکال بیٹاں ہیں جو ہم دنے نے اپنے پتر درد گیت سے سامعین کو ملا دیا ہے میں کوشش کروں گی کہ ردتے ہجر دوں کو ہشادوں؟“ طردب کا چہرہ طنز و استہزا کی مژرامت سے مسکلنے لگا۔ بادشاہ حکم کو محبت سے دیکھنے لگا۔

حکم نے اپنا گیت شروع کر دیا۔“ کہتے ہیں جب قسام اُنل نے انسان اور داح کو لباس جسمانی بخشتا چاہا تو اس نے ان سے پوچھا، بتا، تمہیں اس پسکر جسمانی میں اور کیا کیا درکار ہے؟“ ارواح نے عجیب و غریب خواہشات کا اظہار کیا، کسی نے مژرامت مانگی، کسی نے ذہانت مانگی، کسی نے سیرت چاہی، کسی نے صدقت چاہی، کسی نے جلال طلب کیا، کسی نے جمال طلب کیا، کچھ نے کمال کی خواہش کی، کسی نے ان سب کا انتراوح طلب کیا۔

میں نے اپنے رب سے کہا۔“ مجھے سیرت، صورت، ذہانت، کمال شوخی اور بندل سنبھی کا آجیزہ دو گے، میرے قریب ہی کچھ ایسی ارواح بھی تھیں جو میری اس طلب پر طرز اُسکراہ ہی تھیں انہوں نے مجھ سے کہا۔ تبرہ پیزند اذرا سی طلب کر کے خود کو صاف کیوں کر رہی ہے۔ کوئی ایک ہی پیزند ہیں مانگ لیتی۔ میں نے انہیں جواب دیا۔ اسے میں نے تمہارے لئے چھوڑ دیا ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے رب سے بے پناہ

اس کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ جلد از جلد طوب کی بآہوں میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ راستے کے سر سبز مناظر اور دلکش نظارے اس کو اپنی طرف نہیں متوجہ کر سکے۔ جب دور سے اسے جمال قرطبه نظر آنے لگے تو وہ گھوڑے کی پشت پر ہی ان خود رفتہ ہو گیا اور قرطبه کی طرف منہ کمر کے گھوڑے کی پشت لئی پر سر بس جو ہو گیا اور خدا کا شکر ادا کیا جس نے اسے جلیقیہ کی کامیاب ہم سے واپس لا کر قرطبه کی جان فراز اسرائیل میں پہنچا دیا تھا۔

رمضان شروع ہو چکے تھے بادشاہ سیدھا طوب کے پاس پہنچا اور ایک غرض کی وجہ اتنی کاعن غلط کرنے لگا۔ ہر مرد سر اکی دوسری خواتین کو طوب سے اور تیارہ رشک و حسد ہو گیا۔ بادشاہ صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا لیکن طوب کے اصرار اور بے اعتدالی نے بادشاہ کا ایک روزہ قضا کر دیا۔ یہ خبر ایسی ن تھی کہ راز رہ جاتی۔ محل سر سے نکل کر امام یحییٰ تک پہنچ گئی اور امام یحییٰ نے جواب دہی کے لئے بادشاہ کو مارہی عدالت میں طلب کر لیا۔

امام یحییٰ بادشاہ کو اپنے سامنے دیکھ کر ادب سے کھڑے ہیں ہوتے اور سیٹھے ہی سیٹھے ہوتے۔ کیا یہ درست ہے کہ بادشاہ کا ایک روزہ کسی فُنڈرِ مشرعی کے بغیر قضا ہو گیا ہے؟

بادشاہ نے گردن جھکا کی اور جواب دیا۔ ہاں یہ خبر درست ہے اور میں مشمند ہوں اور اس کا کفارہ ادا کرنے کو تیار ہوں۔

اس مقدمہ کی رو داد کچھ اور لوگ بھی سُن رہے تھے انہیں امام یحییٰ کے مرتباً اور مقام کا اس وقت صحیح اندازہ ہو رہا تھا۔ امام یحییٰ نے جواب دیا۔ آپ کو اس ایک روزے کے بدے سائٹھ رونتے رکھنا پڑیں گے۔

ایک ایرنے امام یحییٰ سے پوچھا۔ کفارے میں سائٹھ روزے داروں کو افطار بھی ترکی جا سکتی ہے پھر یہ سائٹھ روزے رکھنے کی سزا کیوں؟

امام یحییٰ نے جواب دیا۔ سائٹھ روزے داروں کو افطار کرنے کا کفارہ ان پر داجب ہے جن کی بائی حالت اچھی نہیں ہوتی لیکن بادشاہ سائٹھ تو کیا سائٹھ ہزار روپے داروں کو افطار کر سکتا ہے۔ وہ کفارہ جس میں ملکف کو کسی قسم کا ذہنی، مالی اور جسمانی ڈکھنے پر داشت کرنا پڑے وہ کفارہ قابل قبول نہیں۔

طوب چپ تو ہو گئی لیکن حسرہ اور انتقام کی آگ سینے میں شعلہ بن کر بھڑک اٹھی اور دیہ انتقام کسی سے بھی لیا جا سکتا تھا، اس کا شکار حکم بھی ہو سکتی تھی اور خود بادشاہ بھی۔ اس موقع پر انعام دا کرام کی تقسیم میں بادشاہ نے بڑی فراغدی سے کام یا۔ لیکن سب سے زیادہ انعام زریاب کی بیٹیوں کو عطا کیا گیا۔ بادشاہ نے انعامی رقم کا ایک شق شیخ الحنزہ ان (خزانے کا افسرا علی) موسیٰ بن حاریر کے نام لکھ دیا۔ بعد میں خزانے کے افسرا علی نے زریاب کو یہ رقم نہیں دی اور نہایت خوبصورتی سے ٹال دیا، لیکن بادشاہ نے یہ رقم لپٹے پاس سے دیدی۔

* * *

اندر لس کی شمال مغربی ریاست جلیقیہ نے معابر ات کی خلاف درزی کر کے بادشاہ کو ہمت تنگ کر رکھا تھا۔ بادشاہ نے اس پر فوج کشی کی ضرورت محسوس کی۔ اس نے ہر مرد اور فرطیہ کی محلی تریگی کو بخیر باد کہا اور دریا نے منہوار ایلہ کی سرزین میں داخل ہو گیا۔ یہاں جا بجا پہاڑی سلے پھیلے ہوتے تھے اور ہر سان کی زین اور پہاڑی نوکیں مغرب کے سمندر میں داخل ہو گئی تھیں۔ بادشاہ دشمنوں کے لئے مرکش سینکن اپنی وفادار فوجوں کو لے کر جلیقیہ کی سرزین کو دوندتا ہوا مور ٹک چلا گیا۔

دریاۓ ایلہ کے کنارے مسطح زمین پر شاہی انداز کے عیسے اس طرح پھیلے ہوتے تھے جیسے گول، چوکر اور تنکون کپروں کے درختوں کا جنگل زمین سے آگ آیا ہو، اور انہیں درسے دیکھنے سے ایسا لگتا گواہ زمین پر شہد کی مکھیوں نے چھوٹے ٹکار کھا ہے۔ شاہی خیمه اپنی وسعت اور کشادگی میں سب سے تباہیں تھے۔ بادشاہ کو اس دورافتادہ سرزین میں طوب کی یادستانی رہتی۔ وہ اپنے فرست کے محات میں طوب کو اجرہ و مفارقت کی وارداتیں لکھتا رہتا۔ اسے خوب معلوم تھا کہ اس طرح کے اشتیاق نامے اور مفارقت کے مکتب طوب کو اور زیادہ مرکش اور خود بین دخود آکا بنا دیں گے لیکن وہ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور رہتا۔

جلیقیہ کی ۲۳ میں سے فارغ ہو کر جب وہ قرطبه کی طرف واپس ہوا تو

رکھنا چاہتے تھے لیکن بادشاہ اندر گھلتا جا رہا تھا۔
اس کا غلام نظر خود بھی کبھی عیسائی تھا لیکن بعد میں مسلمان ہو گیا
اور مسلمان ہو کر اس نے عیسائیوں کے خلاف جو اقدامات کئے وہ حد درجہ متعقل
تھے۔ وہ عیسائیوں سے مسلمانوں کے مقابلے میں کمی گناہ یادہ جلتا تھا بادشاہ کی
طرف سے اسے یہ اختیار حاصل ہو چکا تھا کہ وہ جنونی پادریوں اور مسیحیوں کے
لئے موت کا دن معین کرے۔

بادشاہ نے وادیِ الکبیر پر ایک شاندار پل تعمیر کرایا تھا بادل خواستہ سے
دیکھنے کیا، پل کے نیچے دریا کی پر سکون روانی نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا۔
معلوم تھا کہ یہی دریا جب اشبلیہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کی روانی میں قیامت
کی شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے ایسا لگا جیسے وادیِ الکبیر کی روانی میں اس
کی اپنی زندگی کی مطابقت پائی جاتی ہے۔ صست، مضتمل، آذاس تھکی ہوئی
عنوان سے چور، وہ جب واپس ہو تو اسے خنکی سی محسوس ہوئی۔ اس کے ماتھے
اس کا سب سے بڑا بیٹا محمد بھی تھا۔ بادشاہ نے بیٹے سے پوچھا: "محمد! میرے
چہرے کو غور سے دیکھا اور پیغ بتا، اس میں تجھے کیا محسوس ہوتا ہے؟"
بیٹے نے جواب دیا۔ "مجھے تو آپ کے رخساروں میں زندگی کی شکنونگی
آنکھوں میں ارادوں کی مضبوطی اور پیشانی پر طویل طویل سحر بات اور کامرازیں
کی روشن یکریں صاف نظر آ رہی ہیں۔"

بادشاہ نے کہا: "تو مجھے ہملا رہا ہے، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے دل
کی طرح میرا جھرہ بھی مجھے چلا ہے۔"
بیٹے نے کہا۔ "خدا نہ کرے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "یہ خدا نہیں کر سکتا۔ خدا اپنے کلام میں فرماتا ہے کہ تم سنت
الہی کو بدل لاؤ انہیں پا دے گے۔ دنیا کی ہر شے پرانی ہو رہی ہے یہاں کے موجودات
کو عمل فرسودگی گھنن کی طرح کھا جاتا ہے دفت اور زمانہ اور زمانے کے
چھوٹے چھوٹے لمحات جو ہمیں نظر نہیں آتے دنیا کی ہر شے کو دیک
کی طرح چاٹے چاڑے ہے میں۔ سنت الہی کے اسی عمل کا میں کبھی شکار ہو رہا ہوں۔
بیٹے کو باپ کی پر درد باتوں پر رونا آ گیا۔ اس نے اپنی ڈھیلی ڈھالی
آسمیں سے آنسو پولوں پھر ڈالے۔ بولا۔ "میں یہ ساری باتیں نہیں سننا چاہتا خدا
کے لئے چپ ہو جائیں۔"

بادشاہ نے بسر و چشم امام سیجھی کی یہ سزا قبل کر لیکن طوب سے
وہ ذرا بھی بدظن نہ ہوا اور اس معلمے میں وہ خود ای کو خططا کا مظہر اتارا۔
 رمضان کے بعد بادشاہ نے متواتر سالوں روزے روزے رکھ کر ایک فضا
روزے کا کفارہ ادا کر دیا۔

* * *

امنی دنیں قرطبه میں ایک نیا فتنہ جاگ اٹھا۔ قرطبه کے بولا جیس
نامی منہبی پیشانے اجاۓ دین سیجھی کا آغاز ایک عجیب و غریب طریقے
سے کیا۔ اپنی سحر بدوں اور تقریروں سے اس نے عیسائیوں میں جوش و خروش
کی ایک نتیاروح پھونک دی۔ اس نے عیسائیوں میں مشوق شہادت پیدا کر دیا
مشوق شہادت کو پورا کرنے کا جو طریقہ اس نے نکالا، وہ مسلمانوں کے لئے ہبہ
پریشان کن اور تکلیف دہ تھا۔ اس نے اپنی سحر بدوں اور تقریروں میں بول
مقبول مکو گالیاں دینا عین ٹواب قرار دیا۔ اور اس جنون میں قتل کئے جانے
والوں کو شہید کے مرتبے کی بستارた دی۔

امام سیجھی اور دوسرے فقیهانِ اسلام نے ان دریہ و دہنوں کے لئے
موت کی سزا تجویز کی۔ بادشاہ کے لئے یہ بڑا نازک لمحہ تھا۔ قرطبه اور اس کے
قرب و جوار میں ہر طرف مسیحی آباد تھے اور یہ زندگی کے تمام شعبیوں میں موجود
تھے۔ یہاں تک کہ سرکاری ملازمتوں میں بھی مسیحی موجود تھے۔ بادشاہ نے
فقیہوں کو سمجھا یا کہ اس سلسلے میں زیادہ جوش و خروش سے کام نہ لیا جاتے
اور یہ س طرح بھی مکن ہوان مہربی دیلوں کو سمجھا بھجا کر ہٹھنڈا کرنے
کی کوشش کی جاتے اور اگر کوئی واقعی اپنے اس مذہبی فعل سے باذنا آتے تو
اس پر حدر شرعی جاری کی جاتے۔

بادشاہ کے لئے یہ بہت بڑا نازک لمحہ تھا۔ وہ رسول مقبول مکی اہانت ہرگز
بمداشت نہ کر سکتا تھا۔ پر جوش پادری برملا، باناروی میں رسول اللہ کو گالیاں
بیٹے اور کیفیر کو ہپڑے جاتے۔ اس سحر کیک میں مردوں کے ساتھ عورتیں
بھی شامل ہو گئیں۔ ایک طرف یہ ہنگامے تھے دوسری طرف بادشاہ کی صحت جواب
کے رہی تھی۔ شاہی اطباء اپنی کوششوں میں لگے تھے۔ وہ بادشاہ کو محتمل

بادشاہ نے جواب دیا۔ ”بیری جگہ سننہالنے کے لئے تیار رہ اور جہاں کہیں
بھی رہ، یترے دلوں کاں قصر اکبر کے اس گوشے سے لگے رہیں ہے جہاں ایک
بوڑھا آدمی آخر کار دم توڑ دے گا۔“

بیٹا آہستہ آہستہ رونے لگا۔
راستے میں ایک جگہ بڑی بیہر لگی تھی۔ بادشاہ کی آمد سے مجھ چھٹ
گیا لیکن ان میں چند ایسے بھی سختے بودھیں کھڑے رہے اور بادشاہ کی سواری
دیکھنے لگے۔ بادشاہ نے ان کے قریب پڑھ کر اپنا گھوڑا سوک دیا، اور مجھ کے
ایک عمریہ شخص سے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ تم لوگ یہاں کیوں صحیح ہو؟“
بوڑھے نے جواب دیا۔ ”یہ سیجی دکان دار ہمارے رسول“ کو کالبیاں دے رہا
تھا۔ ہم نے اسے پکڑ دیا اور اس کے قاضی کے پاس لئے جا رہے تھے کہ آپ
تشریف لے آتے؟“
بادشاہ نے کہا۔ ”اسے قریب لادیں اس سے چند باتیں
کروں گا۔“

ادھیر عمر پادری بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔
بادشاہ نے پوچھا۔ ”کیا تھرست مسیح پر صدق دل سے یقین رکھتا ہے؟“
”ہاں مجھے ان کی بیوت پر بورا یقین اور بھروسہ ہے۔“
بادشاہ نے پوچھا۔ ”کیا میسح نے کہیں یہ کہا ہے کہ تردد سے ہادیاں
دین کے ساتھ گستاخی کرے ہے؟“
پادری نے دلیری سے جواب دیا۔ ”ہاں میسح نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص
لوگوں کے ساتھ میرا منکر ہوگا، اُن روز قیامت میں اپنے آسمان باپ کے حضور
میں اس کا منکر ہو جاؤں گا۔“
بادشاہ نے تحمل سے کہا۔ ”لیکن حضرت مسیح نے یہ بھی نظر فرمایا ہے کہ اپنے
وہمن سے محبت اور نفرت کرنے والوں سے نیک سلوک کر دا دریہ بھی
فرمایا ہے کہ حقیر جاتے اور تکلیف دیتے والوں کے حق میں دعا نہیں کر دے۔“
پادری نے مشوق شہادت میں رسول اللہ کو گالیاں دینا مندرج
کر دیں۔ ”بللا۔“ میں تیرے بھی کے خلاف جو کچھ کہتا ہوں تو یہ سمجھ لے کہ اس
میں حضرت مسیح کی مرثی شامل ہوتی ہے۔ خدا نے اب تک جتنے دردعو گو

پیدا کئے ان میں سرفہرست تیرانی ہے؟“
شہزادہ محمد نے ایک دم گھوڑے سے چھلانگ لگادی اور یاد ری
کو زین پر گرا کر اس کا گلا گھوڑتے رکا۔ خود بادشاہ کا غصت سے بہت بُرماں حال
تھا۔ لیکن اس نے شہزادے محمد کو منع کیا۔ ”محمد! تو اسے چھوڑ دے، کل لے نہیں
عدالت میں پیش کر دیا جائے گا اور یہ دہاں سے نہ راپے گا۔“
شہزادہ محمد نے اسے چھوڑ دیا۔ لیکن چھوڑتے چھوڑتے کتنی تھپڑھڑ
رسید کر دیتے۔
بادشاہ ایک تریلوں ہی آداس اور مضمحل بخا اس پر اس پادری کی دردیدہ
دیتی، بادشاہ کے فری خود کو مکرور حسوس کرنے لگے۔ اس کی پنڈیوں سے جان
کھپٹے لگی۔ وہ محلہ میں داخل ہوتے ہی طوب کے پاس پہنچا اور منہایت
نقش سے کہا۔ ”طوب! سمجھے سکون دے میں بہت پریشان ہوں؟“
طوب نے بادشاہ کا سر اپنی آغوش میں رکھ دیا۔ اور بالوں میں آپسے
اکستہ انگلیوں سے خلاں کرنے لگی۔ اس موقع پر طوب نے شاید پہلی بار بادشاہ
کے پھرے پر مکردری اور بڑھاپے کے شدید آثار حسوس کئے۔
بادشاہ نے پوچھا۔ ”طوب! کیا میں سچ پڑھا نظر آنے لگا ہوں؟“
طوب نے جواب دیا۔ ”بادشاہ کبھی بوڑھے نہیں ہوتے۔“
اس جواب سے بادشاہ خوش نہیں ہوا۔ بللا۔ ”طوب! سمجھے اس
دققت شاعر انہوں کی ضرورت نہیں ہے، میں تھکتا جا رہا ہوں میں اندر سے
بُرفا کی طرح پکھل رہا ہوں طوب۔ میں بُرھ بُرھی۔ دیکھ نہ دیوار کی طرح
خاک میں ملتا جا رہا ہوں۔“
طوب نے رونے کی ادا کاری کی بھوئی۔ ”میں بادشاہ کی ان باتوں کی
متھل نہیں ہو سکتی۔ مایوسی کفر ہے جحضور والا اس کفر سے بچنے کی کوشش
کریں۔“
بادشاہ آنکھیں بند کئے پڑا۔ اس طوب اسے اپنی آنکوش کی گرمی
سے سکون پہنچا فرہی۔
اس دن ذرتا تائیر سے طوب کو وہ بات بھی معلوم ہو گئی جو بادشاہ
نے اپنے بیٹے محمد سے کی تھی، دلی عہدی دالی بات، طوب کو محمد کی دلی عہدی

پہنچا کے دہن مذہب درہ، یک منکر معلوم نہیں ملکہ کو تیری کب ضرورت پیش آجائے۔“
نصر سمجھ گیا کہ اسے اپنے پاس بلانے کی یہ ترکیب بھی ملکہ طرب ہی
کی سوچی اوری ہے۔ اس نے اسی وقت شاہی طبیب حرافی کو ساتھ یا اور ملکہ کے
پاس پہنچ گیا۔

طبیب نے اس کا خوب اچھی طرح حال پوچھا اور دو ایس دینے کی غرض
سے نصر کو دو اخانے لے آیا۔ اسے دو ایس دین، دو دو ایس کی ترکیب استعمال بتائی
اور نصر دو ایس لے کر دوبارہ طرب کے پاس پہنچ گیا۔
طرب نے سکرا کمر سواں کیا۔“بول، شجھے یہاں بلانے کی کیسی ترکیب
رہی؟“

نصر نے جواب دیا۔“ملکہ عالیہ کی عقل کا جواب نہیں اس عقل ہی نے تو
بادشاہ کو آپ کا گردیدہ بنارکھا ہے!“

طرب آس پاس کا جائزہ لینے اور ہرا مہر ہل آف پھر پاس آکر نصر
سے پوچھا۔“تو نے بادشاہ کی صحت پر بھی کبھی غور کیا؟ میر خیال ہے وہ اب
مستقلًا بیمار رہنے لگے ہیں!“

نصر نے کہا۔“ہاں، شاید بڑھا پا بہت تیری سے انہیں اپنی گرفت میں
لے رہا ہے!“

طرب نے پوچھا۔“بادشاہ نے اب تک ہم سب کا بے حد خیال رکھا ہے
لیکن پھر بھی میرے حاسدوں نے مجھے ایسی بہت سی چیزوں سے محروم رکھا ہے جن
کی میں متعق تھی۔ تیرا حال میں معلوم نہیں!“

نصر نے دبے لفظوں میں شکایت کی۔“ملکہ عالیہ! میں بھی ایسے حاسدوں
کا شاکی ہوں، میں صلاحیتوں کے اعتبار سے کسی بہت بڑے منصب تماستھی تھا
لیکن اس سے محروم رہا!“

طرب نے کہا۔“تیری ثابت ہے کہ ہم دونوں ہی ناصل افراد میں کاشکار
رہے ہیں!“ دھرمچہ کرنا چاہتی تھی لیکن الفاظ حلق میں پھنس رہے تھے۔ نصر
مظلوم بنا فردیت سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔
”پرسوں میں نے بادشاہ کی حالت پر غور کیا تو بہت مکھ ہوا بادشاہ
چڑائی۔ سحری ہیں۔ کسی وقت بھی سمجھ سکتے ہیں۔ بادشاہ کے بعد ہمارا کیا حشر ہو گا۔“

میں اپنے لئے سیاہی اور تاریکی محسوس ہوئی۔ اس کا بھی ایک بیٹا عبد اللہ تھا
طرب کے تیرذہ نے خدا یہ فصلہ کریا کہ اسے بھر قیمت عبد اللہ کو برسر اقتدار
لانا ہے۔ محمد کو نہیں۔

طرب نے بادشاہ کی عدم مذہب دیکھ دیکھ گی اور لاعلمی میں علام نصر کو
بلایا جب وہ آگا تو طرب بنے پوچھا۔“تجھے میرے پاس آتے ہوئے کسی نے
دیکھا یا نہیں؟“

نصر نے جواب دیا۔“ہاں مخلص کے چند رعائیوں نے مجھے دیکھ لیا ہے!“
”متب تو بہت بڑا ہوا“ طرب فکر مند ہو گئی۔“میں تجھ سے چند اہم
باتیں کرنا چاہتی ہوں!“

”تو کیجئے، میں آنزوگا ہوں!“
”نہیں، ابھی نہیں“ طرب نے کہا۔“تو میرے پاس ایک بار پھر آتے
گا، وہ باتیں بہت تفصیلی ہیں۔ بس یہ سمجھ لے کہ وزارت عظمیٰ تیرا انتظار کر
رہی ہے!“

”پس؟“ نصر بھر پنچارہ گیا۔“نصر اور وزارت عظمیٰ خدا داد بات ہو گی!“
”اس وقت تو نو دا اپس جا“ طرب نے کہا۔“میں کل سے پرسوں تک
تیرا انتظار کر دیں گی!“

نصر فردا دیر کھڑا طرب کو دیکھتا رہا۔“بولا۔“ملکہ عالیہ! میں چلا تو جاؤں گا
لیکن اس رمز و نکاتے کی گفتگو سے میں پریشان رہوں گا کہ ملکہ عالیہ معلوم نہیں،
کس قسم کی باتیں کرنا چاہتی تھیں؟“
طرب نے کہا۔“پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں میں یہ سمجھ لے
کہ تیری قسمت پلٹ رہی ہے!“

نصر نے کچھ سوچتے ہوئے منہ بنائے گردن ہلائی۔“بولا۔“آپ نے صحیح ہجن
میں ڈال دیا، معلوم نہیں کیا بات ہے؟“
نصر چلا گیا لیکن اس کا چین دسکون غارت ہو گیا۔ اس نے پوری رات
کروٹیں بدیں کاٹ دی۔

صبح بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ طرب کی طبیعت خراب ہے تو شاہی
طبیب بڑا کو اسی وقت سانحہ لے کر ملکہ کے پاس جا اور اسے دھکلا کر دوایں

پیغام تھا، طلبِ حقیقی، مطالبے تھے۔ اس نے معنی خیر نظرؤں سے ملک کو گھورتے ہوتے سوال کیا۔ ”اپ کیا چاہتی ہیں، میں جانتا ہوں لیکن اس کا صلہ ۶ عوض، معاوضہ؟“

”وزارتِ عظمیٰ اور اس کے سوا بھی بہت کچھ؟“

نصر نے ملک کا دوسرا باتھ بھی پکڑ لیا پوچھا۔ ”کیا یہ بھی؟“
ملک نے با تھوڑا لایا، بولی۔ ”قبل از وقتِ کمپ بھی بھی نہیں، لیکن الگ میرا بیٹا عبد اللہ بہر سراقتدار آگئی تو میں تجھے تیری حیثیت سے زادہ دوں گی۔“
نصر نے ریادہ جمارت سے کام لینا چاہا۔ اس نے ملک کو کھینچ کر اپنی آغوش میں چھپا لینا چاہا لیکن ملکہ تمیلاً کہ تمپٹی کی طرح نکل گئی اور بولی۔ ”ابھی نہیں، ابھی کچھ نہیں، ابھی کچھ بھی نہیں!“

نصر کی آتشِ شوق کچھ زیادہ ہی بھڑک گئی۔ اس نے قسم کھائی۔ ”ملکہ عالیہ! واللہ اگر آپ اپنے وعدوں کی سیکی میں تو یقین رکھئے آپ کے بیٹے عبد اللہ کے علاوہ کوئی شہزادہ بہر سراقتار نہیں آ سکتا۔“

ملک نے کہا۔ ”تب پھر جیرے اس وعدے سے پر بھی یقین رکھ کر اس کے مطے میں تجھے جو کچھ دیا جاتے گا اس کا تو گمان بھی نہیں کر سکتا۔“
یہاں سے نصر بادشاہ کے پاس پہنچا اور اسے ملک کی خیریت سے آکا ہ کیا۔ بادشاہ نے اسے حکم دیا۔ ”رسولِ مقبولؐؑ کی شان میں گستاخیاں کرنے والے پادری کو عدالت نے سزا تے موت کا حکم سنادیا ہے۔ موت کی سزا کا دن تو مقرر کرے گا۔“

نصر نے جواب دیا۔ ”ظلِ اللہ! رمضان کے دین ہیں اس لئے رمضان میں تو اس ناہنجار کو سزا تے موت دی اسی نہیں جا سکتی۔ رمضان کے بعد عیدِ منافی جاتے گی۔ اس لئے یہ عید کا دن پادری کی سزا تے موت کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہو گا۔“

بادشاہ نے مسکرا کر بھا۔ ”خوب۔ تو گویا جب سارے مسلمان عید کی خوشیاں منا رہے ہوں گے تو اس بدیختت کو اپنی زندگی کا سیاہ ترین دن دیکھنا نصیب ہو گا۔ گویا عید کی خوشیوں میں مسلمانوں کے لئے ایک اور خوشی کا اضافہ ہو گا۔“

کسی کو بھی نہیں علوم۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے مستقبل کا تحفظ تیری مدد سے کروں اگر تو نے میرا ساتھ دے دیا تو تیرے دن بھی پھر جایتیں گے اور یہ میرا دعوہ ہے کہ ذرا ساتِ عقلے تیرے علاوہ کسی کو بھی نہیں ملے گی!“

نصر کے مذہ میں پانی بھرا آیا۔ بولا۔ ”میں آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوں۔“

ملکہ نے کہا۔ ”میں تفصیل بعد میں بتاؤں گی کہ ہم دونوں کو کیا کہنا ہو گا لیکن پہلے تو خود اچھی طرح عذر و خوض کر لے کے اس راہ میں اگر تجھے میرے ساتھ کوئی ناجائز قدم اٹھانا پڑے تو تو خوفزدہ ہو کر سچھے تو نہیں ہٹ جائے گا!“
نصر نے جواب دیا۔ ”ملکہ عالیہ! مجھے کچھ بھی نہیں سوچنا۔ میں ہر دو کام کر سکتا ہوں جس میں تجھے آپ کی سرپرستی اور مدد حاصل ہو گی میں آپ کی حکم عدالتی کر بھی نہیں سکتا۔“

طوبہ نے کہا۔ ”میں چاہتی ہوں کہ بادشاہ کے بعد میرا بیٹا عبد اللہ جاہشی اور بادشاہ کارچیان محمد کی طرف ہے۔“

نصر نے کہا۔ ”لیکن جانشینی کا مسئلہ تو بادشاہ کے بعد کھڑا ہو گا ابھی سے آپ کیوں فکر مند ہیں؟“

”نصر! تو یہی بات نہیں سمجھ رہا۔ ہمیں بادشاہ کی موت کا انتظار نہیں کرنا چاہتے، اگر تو ہمت کر جاتے تو یہ کام ابھی انہی دو چار دنوں میں میں ہو سکتا ہے۔“

”وہ کس طرح؟“

طوبہ نے نصر کی آنکھوں میں ڈوب کر دیکھا۔ پھر ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی میں بولی۔ ”تجھے بادشاہ کی طبعی موت کا انتظار نہیں کرنا چاہتے۔“
نصر کے خون میں سردی کی لہرسی دوڑ گئی۔ اس کے دل دنماع جنمجننا اٹھے خوابیدہ لیے میں پوچھا۔ ”یعنی کیا بادشاہ کو...“

طوبہ نے اس کے حمنہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ قیمتی ہاتھ جنمیں بادشاہ کے علاوہ کوئی بھی نہ چکھ سکتا تھا۔ آج نصر کے مذہ پر رکھا تھا۔ نصر نے دو دنوں ہاتھوں سے اسے ہونٹوں پر دہلتے رکھا اور زبان سے چھپا کر اس کے بوسے لینے لگا۔ اس نے ممنور نظرؤں سے ملک کو دیکھا۔ ان نظرؤں میں خواہشیں تھیں

نصر نے ادب سے عرض کیا۔ جی بندہ پرورد۔ اس بدجنت کو ہرنے سے پہلے
جتنا بھی جلا یا جاسکے جلا یا جاتے ہے
بادشاہ نے کہا ”لیکن میں خود اس سے خوش نہیں ہوں، خدا ہمیں اور
اس حاصل پادری کو معاف کرے، میں اسے سوئی دینا پس نہیں کرتا۔ لیکن اس کا جرم
ایسا ہے کہ اسے معاف نہیں کیا جاسکتا“

★ ★

بادشاہ کی صحت بحاب دے رہی تھی شاہی طبیب ہماری بادشاہ کو
جود دایں دے رہا تھا ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے بادشاہ کی
ردایں بھی انصر ہی لاتا اور بتا کر تھا۔

رمضان ختم ہو رہا ہے تھے۔ شاہی طبیب ہماری نصر کو جود دایں دینے آئھا
تو نصر نے رازداری سے پوچھا۔ کیا تمہارے دواخانے میں زہر بھی ہوتا ہے؟
طبیب ہماری پونک پڑا۔ وہ ایک لمبے کے لئے مڑکا، اور تعجب سے پوچھا
نصر نے لاپرواں سے جواب دیا۔ ”ایسا زہر، جو بہت زیادہ مہلک ہوا در
جسے آج تک استعمال نہ کیا گیا ہو۔“

طبیب نے پوچھا۔ ”اس کا مصرف ہاں سے کرو گے کیا؟“
نصر نے جواب دیا۔ ”یہ اس زہر کو ان نہیں دیلوں پر استعمال کرنا چاہتا
ہوں جو ہمارے رسول ہی شان میں گستاخیاں کر رہے ہیں۔“
طبیب نے کہا۔ ”لیکن انہیں رسول یہیں پر پڑھایا جا رہا ہے اور ان کے لئے
یہ سزا مناسب ہے؟“

نصر نے پوچھا کہا۔ ”یہ بلا دھم کی بحث میں اپنا وقت نہیں صاف کر دوں
گا، اگر تم یہ زہر دے سکو تو دے دو، میں تمہیں اس کا بہت معقول معادضہ
دوس گا۔“

طبیب پتھر ہو گیا لیکن وہ سوچ میں پڑ گیا کہ نصر یہ زہر کس کے لئے طلب
کر رہا ہے۔ نصر کے جواب سے وہ بالکل مطمئن نہ ہوا تھا۔
نصر جب دوبارہ ہماری سے ملتا پہنچا سانحہ دہنرا بھی لے گیا۔

بولا۔ ”یہ اس زہر کا معمولی سانحہ ہے یہاں اگر تم نے یہاں کام کر دیا تو میں تمہیں اور
بہت کچھ بھی دوں گا۔“
ددہنرا دیناروں کی طبع طبیب ہماری پر غالب آنکھ اور اس نے کچھ پس و
پیش کے بعد یہ رقمے لی۔

ہیناروں کا قبول کرنا تھا کہ نصر کا انداز ہی بدل گیا۔ بولا۔ ”جیسا کہ میں نے
تمہیں بتایا، ابھی تمہیں اور جو کچھ بھی ملے گا لیکن اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ
یہ بات صیغہ رانی میں رہے گی۔ اگر یہ بات پھیل گئی تو پھر سمجھ دینا کہ ہمیں ہماری بدر
بختیوں نے گھیر لیا ہے۔“

طبیب ہماری نے جواب دیا۔ ”کیا مجھے اپنی موت بلانی ہے جو میں بادشاہ کے
مقرب خاص نصر کے ران کو افشا کر دیوں گا۔“
نصر کے دل میں طریب نے جو اتنے شوق بھڑکائی تھی دہ لمحہ بمحہ بھڑکتی
ہی رہی۔ اس کے شعلے یہاں تک اٹھے کہ نصر سے بے احتیاطیاں سرزد ہوئے گئیں۔
وہ کسی قسم کا ادب لاحاظ کئے بغیر اس طریب کے پاس پہنچنے لگا ملکہ کو یہ بے احتیاطی
پسند نہ آئی۔ اس نے نظر کو سمجھایا۔ ”نصر! ابھی سے تیرا یہ حال ہے ہیں تو ڈرنے
مگر ہوں کہ ہمیں یہ سارا منصوبہ تھی ذرا سی بے احتیاطی یا الا پھر ہماری نے خاک میں
نہ مل جاتے۔“

نصر نے جواب دیا۔ ”ملکہ عالیہ! مجھے یہی حد سے زیادہ خوش نصیبی نے
ماوف الدائم کر دیا ہے۔ اس میں کچھ غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں۔ لیکن میں آپ کو
پھر بھی یہ لیقین دلاوں گا کہ منصوبہ پر پوری ہوش مندی سے عمل کیا جائے گا اس
یہ سن کر ضرور خوش ہوں گی کہ طبیب ہماری نے دہنرا دیناروں کے عرض سے قاتل
کی فرائی کا وعدہ کر رہا ہے۔“

”پس؟“ ملکہ نے خوش ہو کر سوال کیا۔

”بالکل پس ہے ملکہ عالیہ، آپ فکر نہ کریں!“

طریب نے کہا۔ ”تب پھر تو بھی یہ لیقین کسے کہ تو بہت جلد فرش سے عرش
پر پہنچ جاتے گا۔“
نصر نے شحنی سے کہا۔ ”اس وقت میں بادشاہ کا سب سے زیادہ معتمد ہوں،
بادشاہ یہ رئاستہ نہیں پسخ سکتا۔“

نصر جوش خوش دہاں سے نکلا اور گھر پہنچ کر دو اتیا کرنے لگا۔

رمضان ختم ہوتے، شام کو چاند دیکھنے کے لئے نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ نصر نے افطار کر کے پادری کی کوٹھری میں پہنچا وہ اس وقت انہیں کے چند ٹکڑے ادا کر رہا تھا، نصر کو دیکھتے ہی چپ ہو گیا۔ نفر نے کہا۔ "چب کیوں ہو گئے؟ پانے خدا سے دنلتے مغفرت کر تو۔"

پادری نے کہا۔ "نصر! تو بھی اسی ملک کا باشندہ ہے، یترے باب دادا بھی میںی میںی تھے۔ یعنی توجہ و منصب کے لایچ میں مسلمان ہو گیا، یعنی ایک بات مجھے پہنچ پہنچ بتاۓ؟"

نصر نے کہا۔ "بلوچو۔"

پادری نے کہا۔ "کیا تو ہم میعینوں کے ساتھ جو کچھ بھی کرتا ہے جاہ و منصب کی خاطر کرتا ہے یادا قمی دل سے کرتا ہے؟"

نصر نے جواب دیا۔ "حق! میرے اسلام کو توا بھی تک شک و شبے کی نظر سے دیکھتا ہے، میں سپا مسلمان ہوں اور مرتنے دم تک مسلمان رہوں گا، جس کا فلسفہ حیات کم اذکم تیری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"توبہ سر توبہ! "پادری نے غصتے میں کہا۔ "یکوں نُفر بنتا ہے؟ اس کے بعد اس نے رسول اللہ کو گائی دی۔ نفر نے پوری قوت سے اس کے قند پہنچ کا رسید کر دیا اس کے کتنی دانت لوث گئے اور منہ سے نون جاری ہو گیا۔

پادری نے اپنی آستین سے خون پوکھا اور منہ میں بھرے ہوئے خون کی کلی کر دی۔ بولا۔ "تم لوگ مجھے قتل کنیوں نہیں کر دیتے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔"

نصر نے جواب دیا۔ "کل عید ہے۔ میں نے تیری موت کو عید تک کے لئے اٹھا کر کھانا۔ کل جب تمام مسلمان عید کی خوشیاں منا سے ہوں گے تو انہیں ایک خوشی تیری موت سے بھی حاصل ہو گی۔"

پادری جھپٹا۔ "اٹھا بولنا! ادکین انسان! تو داقعی شیطان کا چیلہ ہے، افسوس کریے میرے اخنیار میں نہیں ہے۔ دمہ میں مسلمانوں کو اسی خوشی سے محروم رکھتا۔"

نصر دہاں سے چلا آیا۔

ملکہ مسلکے نگی۔ لیکن گفتگو ایسے ہے میں کی جس میں خوشی کے ساتھ ساتھ خوف کا عنصر بھی شامل تھا۔ جوئی "نصر بن ذییری ایک بات بطورِ خاص ذہن میں محفوظ رکھ کر اعلیٰ نے اور تو ایک غلام ہے۔ ان دونوں مراتب کا فرق تو خوب جانتا ہے۔ بادشاہ ایک بڑے ملک پر حکمران کرتا ہے اور تو محض حکم کا بندھ ہے، بادشاہ مرتبے مرتبے بھی کوئی ایسا دادا و مزدود کر سکتا ہے کہ وہ تمہے مات دے دے؟"

نصر کچھ زیادہ اسی خود اعتمادی کا شکار نہجا جوش سے بولا۔ "بادشاہ پورے ملک پر حکومت کرتا ہے اور میں بادشاہ کے دل پر حکومت کرتا ہوں، دھونکہ کھلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

ملکہ چپ ہو گئی اور نصر خیالوں اسی میں ملکہ عالمیہ کے حسن پر نثار ہونے لگا۔

* * *

قصر الکبیر کی شاہی خلوت گاہ میں بیمار بادشاہ کے قدموں میں غلام نصر کھڑا۔ اشیویش ظاہر کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "حضرت! اس طبیب کے چکر میں زیادہ نہ پڑیتے، میرے خاندان میں ایک پڑانا نہیں چلا آ رہا ہے، ہم لوگ اس پر منہایت پڑا اسرار انداز میں عمل کرتے چلے آ رہے ہیں اگر حضور فرمائیں تو یہ مقتولی افضلے تدبیہ شمعہ میں تیار کر دوں!"

بادشاہ نے کمزور آوازیں کہا۔ "میرے جوش اور دل کے تقریباً ختم ہو چلے میں، کیا نہیں ایک بار پھر بیلہ کیا جا سکتا ہے؟ کیا میں ایک بار پھر خداونوں جیسی چیزی اور اشتغال حاصل کر سکتا ہوں؟"

نصر نے جواب دیا۔ "حضرت! دل ادا دنیا میں کوئی بات بھی ناممکن نہیں ہے، نہ دعا کا میں ذکر کر سکتا ہوں وہ سوال نہ پڑھنے کو بھی جوان بنادیتی ہے!"

بادشاہ نے خاموشی اختیار کی۔

نصر نے پوچھا۔ "حضرت حکم دیں تو میں اپنی مقیرتی، اعضاء و اعصاب دعا تیار کروں۔"

بادشاہ نے آہستہ سے کہا۔ "تیار کر۔"

ملک نے کہا۔ ”جس دن تو مجھے یہ خوش نبہی سناتے گا میں تیرامنہ موئیوں سے بھر دوں گی۔“

نصر بولا۔ ”بس اپنے بیٹے عبد اللہ کو تیار رکھتے، جیسے ہی مجلس اسے صد لے نال و شیون بلند ہو، عبد اللہ کو تابع و سخت سنبھال لینا چاہیے۔“

طوب نے کہا۔ ”اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔“

جب نصر ملک سے یہ باتیں کر رہا تھا، شاہی طبیب سراج بادشاہ کی خدمت میں موجود، تمایت پر اسرار باتیں کر رہا تھا۔

وہ بادشاہ سے سرگوشی میں بوچھہ رہا تھا خدا بادشاہ کو تاقیامت سلامت رکھے۔ اس دران غلام نصر نے حضور کوئی مقرری دکا تو نہیں کھلانی ہے۔“

بادشاہ نے جواب دیا۔ ”بھی تک کھلانی نہ میں کھلانے پر منظر ضرور ہے۔“

طبیب نے دو ہزار دینار بادشاہ کے سامنے ڈھیر کر دیتے اور پورا قصہ سننے عرض کیا۔ ”وہ زہر محبہ سے یا کیا ہے اور جہاں تک بیری ناقص عقل کام کر رہی ہے میں یہی سمجھنے پر مجبر ہوں کہ وہ نہر خدا سخنواستہ حضور ہی کے لئے حاصل کیا کیا ہے۔“

بادشاہ سننے میں آگیا۔ حریت سے بوچھا۔ ”یہ کام نظر نے کیا ہے؟“

”بھی حضور!“ طبیب سینے پر رہا تھا باندھ کر متوب کھڑا ہو گیا۔

بادشاہ نے ایک لمبی ہنکاری بھری اور طبیب سے کہا۔ ”تو یہاں سے چپ چاپ نکل جا، تب درجوسی اور سے اس کا ذکر کیا۔“

طبیب نے دیناروں کی طرف اشارہ کرتے ہوتے کہا۔ ”اہمیں شاہی خرز نے میں داخل کر دیتے۔“

بادشاہ نے کہا۔ ”مہیں اسے اپنے ساتھ لے جا۔ میں تجھے اور لغام بھی دوں گا۔“

طبیب سراجی چلا گیا۔

اس وقت بادشاہ کی حالت بڑی افسوسناک تھی اسے نظر پر عفقت بھی آ رہا تھا اور افسوس بھی ہو رہا تھا، وہ دیر تک اور ادھر ادھر ہلتارہا یہیں سکدن رہتا۔ آخر تنگ آ کر دہ طوب کے پاس چلا گیا ملکہ نے بادشاہ کو علاف

دوسرے دن نمازِ عید کے بعد پادری کو سولی پر چڑھانے کے لئے عبورگاہ کے جایا گیا۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں بکھری ہوئی، تھیں ہزاروں آدمیوں کے مجھے میں پادری یہ دہنہ اتنا شابناکھڑا تھا۔ مسلمان اسے دیکھ دیکھ گر خوش ہو رہے تھے پادری اپنی بے بسی اور تمہانی پر کڑھ رہا تھا۔ سولی پر چڑھنے سے پہلے مسلمانوں سے انعام لئے یا انہیں روحانی صدمہ مہنگی نے کا ایک ہی اطاطقہ اس کے اختیار میں تھا اور وہ تھار سول مقبول ہو کا لیاں دینا۔ چنانچہ اس نے چلا چل کر گالیاں دینا امور میں کر دیں مسلمانوں نے اس کی نیا بندی کے لئے خواہ ہی سولی پر چڑھا دیا۔ سولی پر چڑھنے سے پہلے پادری نے نصر کو بدعا دیا۔ ”نصر! خداوند میں تجھے بلا کریں۔ میں تو جا رہا ہوں یہیں وہاں نیڑا انتظار کروں گا۔“

نصر نے پادری کے حنفے پر نفرت سے نکل دیا۔

پادری کے سولی پر چڑھاتے جانے کی خوش نبہی لے کر نصر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ اس وقت دو نریاں سے باہیں کر رہا تھا۔ پھر بھی فقیرہ بھی مزاح پر سوی کو پہنچ گئے۔ نصر نے جب پادری کے ہر نے کی خبر سنائی تو بادشاہ کے سوا سمجھی نے سجن اللہ کہا۔ بادشاہ نے افسوس سے کہا ”مجھے اس دیوانگی سے جان دیتے کا افسوس ہے۔ ان کی عقولوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اس احمقانہ موت کو شہادت سمجھتے ہیں؟“

یہکے بعد دیگرے بھی چلے گئے۔ تو نصر نے عرض کیا۔ ”حضور دو دو ایک دو چکی ہے، جب فرمائیں حاضر کر دیجی جاتے۔“

بادشاہ نے کہا۔ ”چند دن ٹھہر جا۔ میں کچھ اور دو دویں کھارہا ہوں۔ ان کے بعد میں خود طلب کر لوں گا۔“

نصر نے بادشاہ کے چھرے کو عذر سے دیکھنے کی کوشش کی یہیں رعب شاہی سے نہ دیکھ سکا۔ پھر بھی کہنے لگا ”حضور والا کو اپنی صحت پر خاص توجہ دیجی چاہیے اس غلام سے تو حضور کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔“

بادشاہ اس کی یہیں سے عاجز آچکا تھا۔ بیزاری سے بولा۔ ”اب تو جا سکتا ہے!“

یہ یہاں سے سیدھا ملکہ عالیہ کو سلام کرنے پہنچ گیا اور تخلیق میں یہ خوش خبری سنائی کہ بس دو چار دن کی اور بات ہے بادشاہ نے اس کی مقرری اعطا کر دیا کھانا فبول فرمایا ہے۔“

گی۔ یہ میں سبھی دیکھنا چاہتا ہوں۔“

طرب نے سرتاپ ایاز مند سی سے کہا۔ “میں تو بادشاہ کی ادنی کنیز ہوں یہ میری
حوال کہ میں بادشاہ کو خوش ترستے کا دعویٰ کروں، بادشاہ خود ہی خوش ہوتی ہے،
یہی میرے لئے وجہ افتخار ہے۔“

بادشاہ نے طرب کی گردان میں دلوں ہاتھ حمال کر دیتے اور اس کی
آنکھوں میں آنکھیں دال کر کھما۔ “طرب! تیس اکتوبر سال حکومت کرنے کے بعد
میں اس نتیجے پر مہنچا ہوں کہ کارکشور کشائی درس کے سوا کچھ بھی تہیں اس راہ میں
یکسے کیسے ذخیر کھانے پڑتے ہیں! بظاہر تو ایک بادشاہ کے گرد دیش ہزار لاکھوں
جان نثار جمع ہو جاتے ہیں لیکن حقیقتاً ان میں ایک بھی جان نثار نہیں ہوتا، ایک
حساس بادشاہ کے لئے اگر کوئی جان برو احساس ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ اپنی
بادشاہت کی وجہ سے کسی سے سچی محبت نہیں حاصل کر سکتا۔ بظاہر عورتیں اس پر
جان چھڑ کتی ہیں لیکن ان عورتوں کے دلوں میں کیا ہوتا ہے؟ یہ دہی جان سکتی ہیں
یا پھر خدا جانتا ہے؟“

طرب کے کان کھڑے ہوتے کہ آج یہ بادشاہ باتیں کیسی کرم ہاہے کہیں
لے سازش کا علم تو نہیں ہو گیا۔ لودھ لینے کے لئے بولی۔ “آخر یہ یک بیکت بادشاہ
پر قنوطیت کا درہ یکوں برو گیا؟ کیا بادشاہ کو ہماری محبت کا یقین نہیں ہے؟“
بادشاہ نے آنکھیں بند کر لیں بولا۔ “طرب! مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ اب
یہیں اگر اس سال کو گزاروں تو بڑی بات ہے، میرے بعد تیرا بیٹا حکومت کرے گا
اس کی بر قسمتی پر میں آنحضرت کے پر محروم ہوں اگر تو میرا مشورہ قبول کرے تو اپنے
بیٹے کو حکومت قبول کرنے سے منع کر دے۔“

طرب نے جلدی سے جواب دیا۔ “بادشاہ باپ کا بیٹا، باپ کا درست
فیصل کرنے کا پابند ہوتا ہے، اور میرے خیال میں اگر باپ نے مصیبتیں جھیلی ہیں اور
کارنا بوجیات میں سکون کی سائنس نہیں ہی ہے تو ایک فرمابر دربیتے تو اس کی انتباہ
ضرور کرنا چاہیتے۔“

”تیری هرمنی!“ بادشاہ نے افسوس سے کہا۔ میں سمجھے سب سے زیادہ چاہتا
ہوں اس لئے تیر سے بیٹے کی جان نشوی پر محروم ہوں۔“

معول پنے سامنے دیکھ کر بنادی خوشی کا اظہار کیا بولی۔ “زہ نصیب کہ حضور نے
قدم رنجہ فراز کر میری عیری خوشیوں کو دبala کر دیا۔“

بادشاہ کچھ دیر تک حیثیت سے ملک کو دیکھتا رہا۔ کھڑا جھپٹا۔ طرب!
مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں اب زیادہ دن نہیں چیزوں گا امرتے سے پہلے میں چند
اہم نیصلے ضرور کر دینا چاہتا ہوں۔“

طرب نے بادشاہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ بولی۔ “کھڑے کھڑے
تھک جائیں گے، میری آغوش میں دبک کر، پہلو میں بیٹھ جائیں، اس طرح
بانوں میں بھی مزہ آتے گا!“

بادشاہ معول بن گیا اور طرب کے ہملہ میں بیٹھ گیا۔ بولا۔ “میرے
بعد سب سے اہم سلسلہ ولی عہد کا ہے، تو کیا کہا تی ہے، میں کسے ولی عہد
بنادوں؟“

طرب نے جواب دیا۔ “محمد تھیک رہے گا!“
بادشاہ نے اس عیار عورت کا چھرہ دیکھنا چاہا تیکن دہ پس امتنہ درسی
طرف کر جکی تھی۔

بادشاہ نے کہا۔ “پہلے میرا بھی یہی خیال تھا لیکن کچھ دلوں سے میں
عبداللہ کی سعادت مند سی اور خدر مند سی کا مشاہدہ بھی کرم رہا ہوں اور اس نتیجے پر
ہنپا ہوں کہ میرے بعد اگر کوئی ملک کاظم و نقش چلا سکتا ہے تو وہ یہی عبداللہ
ہے۔ تب پھر عبداللہ اسی کو ولی عہد کیوں نہ قرار دے دیا جاتے؟“

طرب نے انسدادی سے عرض کیا۔ “میں کیا کہہ سکتی ہوں بادشاہ کی نظریں
جو ہر شناس ہیں۔ ان کے نیصلے ہمیشہ صیحہ ہونے رہے ہیں اور یہ نیصلہ بھی غالباً
قدرتست اسی ہو گا۔“

بادشاہ نے کہا۔ “میں عنقریب اس کا اعلان کر دوں گا لیکن تو اپنی
زبان بند رکھے گی کیونکہ قبل از وقت تیری لب کشانی مجھے حصیبت میں میلتا
کر دے گی۔“

طرب سے جواب دیا۔ “میں لب کشانی کیوں کر دیں گی؟ میں امورِ مملکت
میں دخل انہمازی پا لکھ پسند نہیں کرنی۔“
بادشاہ نے ہنس کر کہا۔ اس خوشخبری کے بعد تم مجھے کس طرح خوش کر د

حکم نے کہا " دریہ غم میں ایک غریب سے جھیل رہی ہوں بادشاہ کو یہ سنا
 بھی خواتین پسندیں بادشاہ کو اس کا حق بھی پڑھتا ہے "
 بادشاہ اس کی پاکیں نہایت غور سے سن رہا، حکم بولتی رہی۔ لیکن
 ان معاملات میں ہم کو بھی کیا سکتے ہیں، اس دنیا کی محیب دیت ہے اور انہوں کی
 جس خیر سے تعمیر ہوتی ہے خوبی دریں سے چلی آ رہی ہے جس بات سے کسی ایک کو
 خوشی حاصل ہوئی ہے اس سے دوسرے کو ڈکھانے پڑتے ہیں جو جان ہے "
 بادشاہ نے کہا " حکم! خدا نے مجھے بڑی عقل دی ہے اُنہوں میں اتنا شجور
 ہو جتنا سمجھیں ہے تو یہ خوش رہ سکتا ہے ! "
 حکم نے کہا " نہیں ایسا ہیں سے۔ اس شور سے اُن خوش ہیں وہ
 سکتا ہے زندگی کی تجھیں کامروں دار مقابلہ کر سکتا ہے ایادِ اہل سے سمجھوئے کر کے
 کسی حد تک مطہن ہو سکتا ہے "
 بادشاہ کے دل سے بوجھا تھے مگر اسے ذرا سکون ملنے لگا۔

بادشاہ نے نصر کو طلب کر لیا اور یہ بھی کہا یا کہدا اے تک جس متوتی اعصاب
 ددا کا ذکر کر رہا ہے اسے پہنچا دیتا آئے بادشاہ اسے استعمال کرنے پا ہٹا ہے۔
 بادشاہ کا یہ پیغام جب نصر کو طلا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ اپنی
 سہوم دوڑے کر ہوا بادشاہ کی فرمادت میں پہنچ گی بادشاہ نے سکرتے ہوئے خوش
 آمدید کری۔ بولا " آج میرے دل پر بچھے نیادہ گمراہ محسوس اور یہی ہے اور میں نے
 فیصلہ کر دیا ہے کہ میں طبیب تیرانی کی متفہیات کی بجا تھے تیرے خالد ان کی حد استعمال
 کر دیں، کیونکہ تو اس کی ایک تمت سے تعریف کرتا چاہا اے "
 نصر خوشی سے باع اکو گا۔ بولا " یہ اس غلام کے حق میں مایہ نہ ادا
 باعثِ افتخار ہے کہ حضور میرے خالد ان شے کو شاہی طبیب کے سخن پر فوکت
 دے رہے ہیں "
 بادشاہ اس وقت ہمت خوش تھا پوچھا " وہ دعا ساختا ہے؟ "
 نصر نے ایک نظری ڈھنڈ کر بادشاہ کے روپر و کمر دی بولا " یہ مردی دد دد
 میں لے جس بزم ان رشادی اپنے ساتھ لیتا آیا ہوں "

* * * * *
 شہر میں مذہبی دیوالوں کی دبار پھرٹ بڑی اور رسول اللہ کو تمباہ کہہ کر
 سوی پر حردھ جانا فیشن میں داخل ہو گیا۔ ان میں مرداد غور تین دن تھوں ہی
 شامل تھے۔ ان دیوالوں میں قلوران اسی ایک تہلات حسین و جہیل بڑی کی بھی شامل
 تھی۔ قلورا کا باب سلان تھا۔ لیکن ماں عیاشی تھی۔ بپ کے منے کے بعد ماں
 نے قلورا کو سیحیت کا گھر اور دس دیا۔ جس کے نیچے میں قلورا کفر مسیحی بن گئی۔ اس
 کے بھائی اکثر مسلمان تھے۔ یہ بھائیوں کے پاسنے نکل بھاگی۔ لیکن پکڑ کے پھر
 بھائیوں کے حوالے کر دی اگئی یہ کھیل آنکھ پر جو پی کی طرح کچھ دن کھیلا جاتا رہا۔
 آخر قلورا نے بھی مذہبی دیوالوں کی روش اختیار کی اور رسول اللہ کی اہانت پر اگر
 آج اسے گرفتار کر کے زندگی میں ڈال دیا گیا قاضی نے اس کی کم سرفی اور حسن سے
 ممتاز ہو کر سجدہ نے کی کوشش کی لیکن یہ نہیں براز آئی۔ آخر سوی پر حرشہ حادیتے جانے
 کا فیصلہ نہ دیا گیا۔ بادشاہ یہ ساری خبریں میں اہانتا اور ہر خبر اس کے دل پر ایک گھاٹ
 ڈال رہی تھی۔

بادشاہ اس اور ملوک بیٹھا کسی نکر میں غلطان تھا۔ چند گانے والیاں ہی
 لغات سے بادشاہ کے مرتجلتے دل کو تروتازہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ یہیں
 بادشاہ نے حکم کو طلب کیا۔ جب دہ ۲۰ گھنی کو بادشاہ نے کہا " حکم! دنیا کی بے شبانی
 اور النازیں کی بے وفا نے میرے دل کو داغ نہ کر دکھل کر ہے۔ گھر می دو گھنی ہیرے
 قریب رکھ کر تو ہی میرا دل ہٹلا "
 حکم نے بادشاہ کا سرپتے زانو پر رکھ دیا بتری۔ " بادشاہ کو یہ گھاٹ تو
 ہر دل میں ملے گا۔ یہاں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اس کے دل میں یہ گھاٹ بھی
 لئے زیادہ ملیں گے "
 بادشاہ نے پوچھا " حکم! پس بہتا کیا تھے بھی اس لوزع کے عنم ساتھے ہیں؟ "
 حکم نے سمجھ دی کی سے سوال کیا " بادشاہ نہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی
 محبوب ترین ملک بادشاہ کے علاوہ کسی اور سے محبت کرنی ہے تو اس کا بادشاہ
 کے دل پر یہی " نژاد گا "
 بادشاہ نے جواب دیا " کچھ ایسے اسی عنم تو میرے دل کو چاہئے جا
 رہے ہیں "

بادشاہ نے با تھے بڑھا کر یہ ڈبیانصر سے لے لی اور اسے کھوں کر دیکھنے لگا۔ نظر کا دل دھک کر ریا تھا۔ بادشاہ نے ڈبیا کھوں کر ناک سے رکا فی، تو نہ گھٹتے ہوتے پوچھا۔ اس میں تو بڑی خوبصورتی ہے کیا اس میں زعفران بھی شامل ہے؟

نصر نے جواب دیا۔ لبی حضور حضرت کی قوت شامہ اور حس متنیزہ کی جتنی تعریف کی جاتے کم ہے۔ زعفران تو اس میں بجز دجالب ہے۔

بادشاہ نے پوچھا۔ اس دوکے فائدے کیا کیا ہیں؟

نصر نے جواب دیا۔ "مفتر قلب و دماغ، ذہنی انتشار کی دشمن فکر و تشویش کی قاتل، اعصاب کو توانائی سختی دائی، اعضاء کے لئے آب حیات اور ان خفتہ قتوں کے حق میں تریاق جو عموم کے ساتھ نہ وال پنہ بہرہ فی ترہنی ہیں اور جن کی کمی یا محرومی سے انسان کا دل تندگی اور دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے؟"

بادشاہ نے نظر کو غور سے دیکھا پوچھا۔ "تیری عمر کیا ہے؟"

نصر نے جواب دیا۔ "بچپن سچپن سال"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تیرے اعصاب اور اعضا بھی اخطال اور کمزوری کا شکار ہو چکے ہیں"

نصر گھبرا یا۔ وہ بادشاہ کا کچھ کچھ مطلب سمجھ رہا تھا۔ آہستہ سے بولا۔ "ہا، بڑھا پے نے مجھے بھی بکھر لیا ہے!"

بادشاہ نے کہا۔ "یہ چاہتا ہوں اس دو اور پہلے تو استعمال کر، میں اس دو کے معین راثرات تجھے میں مرتب ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں"

نصر نے کہا اکر بادشاہ کی طرف دیکھا۔ اس کے جی میں آئی کرو دہ سب کچھ سچ پس بادشاہ کو بتا دے اور اپنے ساتھ ملہ طرب کو بھی کھینچ لے، لیکن دہ ایسا نہیں کر سکا۔ دہ مکرم طرب کو اس بصیرت میں نہیں پھنسانا چاہتا تھا۔

بادشاہ نے چاندی کے پیپے میں ڈبیا کی دعا نکالی اور نظر کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "ایسے کھلے!"

نصر ان کار نہیں گر سکتا تھا۔ بد رحمہ مجبری اور دو احلى سے اتار گیا۔ فراؤ ای بولا۔ "حضور مجھے گھر جانے کی اجازت مرحت نہیں کیونکہ اس دو کو کھانے کے بعد عرقی کلاب کا پینا بہت حسرہ ری ہے!"

بادشاہ ہنس دیبا۔ بولا۔ "اب تم جاسکتے ہو"

نصر مسلم اسے نکلتے ہی سیدھا طبیب ہماری کے پاس پہنچا اور اسے پورا واقعہ بتا کے اس سے اس زہر کا تریاق دریافت کیا۔ طبیب نے جواب دیا۔ "ترنے دیکر دی اگر تو فراؤ آئی آجاتا تو میں تجھے بکری کا دودھ پینے کو دینا۔"

نصر کی نسوان میں رُوح کھنخ مرہی تھی، اس کی جان نکلی جا رہی تھی ہماری کو قاتل کر کہنے لگا۔ "اگر میں اب بکری کا دودھ پی لوں تو ہے"

طبیب نے جواب دیا۔ "زمر تیری نس نس میں داخل ہو چکا اس لئے اب اس کا کوئی علاج نہیں، فتمت کے لکھ کو خوش دلی، ہمت اور استقلال سے قبول کر اور خدا کی مشیت پر قافی رہ۔"

نصر نے طبیب پر حملہ کرنا چاہا لیکن اب نہ رہا تھوں میں بھی ہر چیز چکا تھا، ہاتھوں تے نظر کے ارادوں کا ساتھ نہیں دیا دلیں ہاتھ کچھ دوڑتک اٹھے اور پھر اس کی اپنی رانوں پر گر گئے۔

طبیب پہنچنے لگا۔ بولا۔ "کیا تو یہ بھول گیا تھا کہ ایک بادشاہ اور غلام کی عقل میں کتنا فرق ہوتا ہے؟"

نصر کے ڈوبتے ہوتے حواس میں طرب کا دھندر لادھندر لاچھرہ ابھرا بھر کر غائب ہونے لگا۔ اسے اس عالم میں بھی بے ربطی سے باد آیا کہ ہی بات ایک بار طرب بھی کہہ جکی ہے۔

نصر لاکھڑتے قدموں سے بدقت تمام اپنے گھر دانہ ہوا لیکن راستے ہی میں گر کر ہرگیا۔

* * *

نصر کی مردگانی کی خبر آنا فاناً مشہور ہو گئی۔ جب یہ خبر طرب کے کالوں تک پہنچی تو وہ بہت گھرائی، لیکن بادشاہ نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔ لیکن بادشاہ کی اندر دنیا پریشان کوئی بھی محسوس کر سکتا تھا۔ اندر ہی اندر یہ غنم کھاتے جا رہا تھا کہ اس نے جنہیں مال و دولت اور اپنے لطف و کرم سے لازماً آج دہی اس کی جان کے درپے میں۔ اس نے زریاب کو بلایا مغلی رقص و سردد منعقد کی۔ بادشاہ کسی بھی طرح دل کی بھڑا اس نکالنا چاہتا تھا لیکن دل پر جو گھٹھا سی چھاگئی تھی

دہن کھلتی تھی نہ برسی تھی۔

قصر الکبیر کے ایک گل بار جھٹے میں مغل رقص منعقد کی گئی، اور بادشاہ کے ایسا پریہاں جو گیت کلتے گئے وہ سارے اسی حزینیہ تھے۔ بادشاہ نے زریاب سے بطور خاص کہا۔ ”زریاب! میں رونا چاہتا ہوں۔ ہیرے دل پر عنم داندھ کی ایک بھاری سل رکھی ہوتی ہے اگر یہ سل اپنی جگہ سے نہ ہٹی تو میں اس بوجھتے دب کر بلاک ہو جاؤں گا۔ خدا کے لئے تم سب مجھے ایسے گیت سناؤ جن میں دُنیا کی بے شانی اور اپنی کی بے دفانی کا ذکر کیا گیا تھا؟“

زریاب نے ادب سے سوال کیا۔ ”کیا قل اللہ کا لوگوں کے سامنے آنسو بہانا مناسب ہے؟“

بادشاہ نے جواب دیا۔ ”گریہ کوئی لپٹے علاج کے طور پر قبول کر رہا ہوں اور اس عالم میں جدکہ حزینیہ نعمات پوری عیقیل کو رکارہے ہوں اپا بادشاہ کا رو درینا یعنی فیضی عمل ہو گا۔ اور محفل کے لوگ اسے عیب نہیں سمجھیں گے؟“

بادشاہ آج بھی طوب کو اپنے پھر میں بھلتے تھا اور طوب کے چڑے پر آج ہمیشہ جیسا تقاضا درد برائی کی چمک نہیں تھی اس کے دل کا چور بار بار چلکیاں رہا تھا اور غالباً یہ بہت بڑی سزا تھی۔ جو بادشاہ اسے دے رہا تھا۔ مدثرہ، حکم اور شفا بھی موجود تھیں لیکن بادشاہ کی ادا سی نے ان سب کو اس کر رکھا تھا۔

گانے کا آغاز ہوا اسازوں کے شر بھی حزینیہ تھے۔ مخفنا بیٹن بادشاہ کی خوشندی کی خاطر اپنا سالانہ در صرف کئے دے رہی تھیں آہستہ آہستہ محفل سوزد درد میں ڈھونبئے تکی سرماں اور مایوسی کی کوئی غیر مریٰ چادر پرے اخوں کو اپنی پیٹ میں لیتی جا رہی تھی۔ ان گیتوں میں طرح طرح سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ دُنیا کو کچھ بھی نہیں۔ یہاں دکھوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہاں دُنیا کی طرح کوئی سمجھی قابل اعتماد نہیں۔

محفل آہستہ آہستہ آنسو بہانی تھی، بادشاہ اب بھی چپ تھا اور اس کی آنکھوں کے گوشے اب بھی خشک تھے۔

سب کے آخر میں بادشاہ کی ایسا پر حکم نے گاناسڑو رع کر دیا۔ کسی انہی شاعر کا یہ کلام ہزن و ملاں اور قنوطیت کا اعلیٰ شاہ سکا رہا۔

”میں جب قبرستان کی طرف سے گزرا تو یہ دیکھ کر میرا دل بھر آیا کہ دہان متوں میٹ کے نہیں دے لوگ دبے پرٹے تھے جن کی ناز بھر طیاں مجبوبوں کی طرح کی گئی تھیں۔“

شہزادہ عطر فروش، جو ہماری فضادیں کو معطر کر دیا کرتا تھا آج قبر کے حقیر کرپڑوں کی غلبنا ہوا تھا۔

وہ رہیں، بھوخت گیری میں مشہور تھا، آج اسے مٹی چاٹ رہی تھی اور دہ بھی جس نے حقوق العباد کے بے پناہ ائتلاف کے بعد دلت کا سب سے زیادہ ذخیرہ کر لیا تھا، آج اپنے حیم کے اعضا کی حفاظت تک سے قاصر تھا۔

اس کی ناک، کان، دکھوں اور مٹنے کی جگہ بڑے بڑے سوراخ باقی رہ گئے ہیں یا پھر وہ پنجھہ جس کے اندر حریص اور لاپچی دل تید تھا، میں نے ان سے پوچھا، مرنے والوں اتنا بتاؤ تم کسی حال میں ہو؟ یہکن وہ جواب کیا دیتے ان کی زبانیں تو مٹی کھا چکی تھیں،

یہ نے ان سے کہا، اگر تم مجھ سے پوچھو کر تھا میں بعد دُنیا کا کیا ہاں ہے تو میں تمہاری بتا دیں کہ تمہاری خون پسینے کی کمائی کو تمہاری نالائق اولادوں نے جوستے اور سڑپ میں اٹا دیا۔

تمہاری بیویوں نے دھرم سے شوہر کر لئے

تمہاری محبو بیویں دوسرے نے جو اُنہیں کی آغذیں گرم کر رہی ہیں۔

لے دُنیا! تجھے پر نظر ہے کہ تو کسی کی بھی نہیں تیرا دہن تھر شیر پر جولڈت میں روح افراد تھا اور جس کے مزے میں شیری ہی شیری ہوتی ہے اگر اس کے باطن کو جکھہ مکو تو دہان نہیں تامنی کے سوا کچھ بھی نہ ملے گا۔

ہر چھاس کے تیجے تلمی چپی ہے مھاں تو محض یک فریب ہے میں نے تو یہاں تک سنائے کہ شہر کا سب سے بڑا میر اور فیض رسان جس نے ہزاروں کے دکھوں کا علاج کیا تھا، پر درش اور کفالت کی تھی بالآخر اپنے ایک سب سے زیادہ پیارے کے دکھوں بلاک ہوا، اسے شاعر! اگر خدا نے تجھے ذرا سی بھی عقل دی ہے تو میرا یہ قول گہ

یں باندھ لے۔

دوسروں پر اعتماد کرنا اچھی بات ہے
لیکن کسی پر اعتماد نہ کرنا اس سے بھی اچھی بات ہے ”

بادشاہ نے ملکہ طوب کو جس کرب ناک نظر سے دیکھا ملکہ اس کی تاب نہ
لا سکی۔ اس نے سر جھکایا۔

بادشاہ نے طوب سے کہا ”طوب! پہلے میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ تیری
فاطمہ عبد اللہ کو اپنا جان نشین بنادوں لیکن نہر کے عبر تناک انجام کے بعد میں
نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے“

ملکہ طوب بادشاہ کی باتیں سر جھکاتے سنتی رہی۔

بادشاہ کہتا رہا۔ ”تیری محبت کے پیش نظر میں چاہتا نہ کام میرے
بعد تیرے سائیہ زیاد تیار نہ ہوں، اور جس کی بیس زندگی بھرنا زبردستیاں گرتا
رہا ہوں، میرے بعد اس کا حکمران بیٹا اپنی ماں کی اسی طرح دل جوئی اور
ناز برداری کر سکے لیکن نصر دلے دلتے کے بعد میں اس نتھی پر پہنچا ہوں کہ تیرے
مشترے جب میں نہیں۔ سچا تیر دوسروں کا خدا جانے کیا حشر ہو“

طوب پیجھے مار کر رودھی اور بادشاہ کے قلعوں میں اپنا سر کھد دیا بادشاہ
نے اسے اٹھا کر ایک بار پھر اپنا آنکھ میں لے لیا اور کہا۔ ”تو میری زندگی میں
ذیل نہیں ہوگی، نیزی جلگہ میرے قلعوں میں ہوں دل میں ہے“
اس محفلِ چیز ن دل میں بھی بادشاہ نہیں رہ دیا۔

کچھ دیر بعد بادشاہ نے محفل برخاست کر دی۔ وہ خلوت چاہتا تھا،
اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ یہاں سے آنکھ کر قصر کی بالکلی میں چلا گیا۔ بالکلی
سے باہر کا منظر ہفت صاف نظر آ رہا تھا۔ قصر کے باہر سڑک کے آس پاس
سویں میں انسان لاش کے ہوتے تھے اور ان کی عمر دنیا ایک طرف ڈھلک
گئی تھیں۔

بادشاہ نے ایک خدمت گار سے پوچھا۔ ”یہ لاشیں کون کی ہیں؟“
خدمت گار نے جواب دیا۔ ”دشمنان رسول کی۔ امہنیں بہت سمجھایا گیا
کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا بیان نہ دیں لیکن یہ نہیں ملے اور خاصوش سہنے کے بجائے
سوئی پر سپر ڈھجانا کووار کر دیا۔“

بادشاہ کے چنے سے چیخ نکل گئی، دہ رونے لگا۔ ”خدا کے لئے ان لاشوں
کو سویں سے آتار دو۔ امہنیں یا تو دن کو ادا یا جلتے باپر جلا دیا جائے، میں یہ
سب آنیں دیکھ سکتا۔“

بادشاہ پھوٹ پھوٹ کر دنے لگا۔ وہ کیکا تاہوا بالکوئی سے نیچے آگیا، اس
کا دل ڈوب رہا تھا، نہیں بصادت سے محروم ہوئی جاہری تھیں۔ دورانِ خون
میں فتوڑ پیدا ہو رہا تھا، دماغِ سننا ہا تھا۔ اس نے اپنی عمر کے امیتیں سال
بادشاہت سنہاں تھی اور اب امیتیں سال حکومت کرنے کے بعد وہ پہلی بار اس
شدید جان یوں ایفیت میں مبتلا ہوا تھا۔

دوسرے دن صبح جب بادشاہ کے حکم کی تعییل میں مددی دلوں کی
لاشیں سویں پر سے اتاری گئیں اور انہیں جلانے کے لئے ایک جگہ رکھا گیا،
اسی وقت قصرِ الکبیر میں بادشاہ نے ہیشہ کے لئے چب اخنیا کر لی تھی۔ اس کا جنم
قیمتی چادر میں ڈھکا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف سو گوار خوشبو پھیلی ہوئی
تھی۔ شاہی خدمت گار عود، لوبان اور دیگر جل کردھوں اور خوشبو دینے والی چیزیں
وقت وقف سے اگر دلوں میں ڈال رہے تھے محل میں موجود بادشاہ کے اعزاء اور
معز اہم بادشاہ کی حیثیت کو نہلانے کفنا نے کے انتظام میں لگے ہوئے تھے۔ بادشاہ
کے ایک سو ہجھاں بیٹاں اپنے جلیلِ القدر باب کی موت پر کچھ
زیادہ سو گوار نہیں تھیں۔ بادشاہ کی بیگنات اس کی موت کے عنی میں ردنے دھونے
کے بجائے اپنے مستقبل کی فکر میں آ شو گہار ہی تھیں اور طوب کو یہ عم کھائے جا
رہا تھا کہ دوبار کے پاختیار اور بائٹ امراء اور دہری کلیدی تھنچیتیں اس کے بیٹے
عبداللہ کے بجائے شہزادہ محمد کی جانشینی پر متفق ہو چکی ہیں۔

